۹
۱۱۶۰

نبوّت

تصنیف

محسن قرائتی

ترجمہ

ڈاکٹر شاہد چوہدری

رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران
راولپنڈی
۱۴۰۴ھ، ۱۹۸۴ء

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ــــــــ نبوّت

مصنّف ــــــــ محسن قرائتی

مترجم ــــــــ ڈاکٹر شاہد چوہدری

ناشر ــــــــ { رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران - پاکستان
۴۶۔ اے سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی }

تعداد ــــــــ دس ہزار

تاریخ طباعت ــــــــ رجب ۱۴۰۴ھ / اپریل ۱۹۸۴ء

قیمت ــــــــ پانچ روپے

بسمہ تعالیٰ

مقدمہ

کچھ عرصہ پہلے ہم نے اصول عقائد اسلام کے تعارف کا سلسلہ شروع کیا تھا اور اس ضمن میں پہلا کتابچہ "توحید" پیش کیا تھا وہ تحریر بے نہایت پسند کی گئی جس کا اظہار مختلف طریقوں سے ہوا۔ بعض قارئین نے کتاب میں مندرج مضامین پر اپنے خیالات کا اظہار کیا، بعض نے بعض باتوں کی وضاحت چاہی، بعض احباب نے حوالوں پر رائے دی۔ اب اسی مصنف کی دوسری کتاب "نبوّت" کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔ امید ہے اسے بھی قارئین سابقہ دلچسپی سے پڑھیں گے۔ جیسا کہ آپ اس کتاب میں دیکھیں گے کہ یہ محض منصبِ "نبوت" پر نظریاتی بحث نہیں بلکہ نبوت سے متعلقہ دیگر امور پر بھی اس میں روشنی ڈالی گئی ہے اور چونکہ مصنف ایران کے حالیہ اسلامی انقلاب سے گذرا ہے اس لئے اس نے بعض مقامات پر اس کے حوالے سے بھی بات کی ہے۔

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ یہ اصل متن کا تصرف کے ساتھ اردو ترجمہ ہے مگر کوشش کی گئی ہے کہ نفسِ مضمون مجروح نہ ہو۔

رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ نمبر
پیغمبروں کی ضرورت	۱
الٰہی نظریۂ کائنات	۱
خدا کو نہ پہچاننے کی اصلی علامتیں	۲
انبیاء کی ضرورت	۳
شناخت میں رکاوٹیں	۵
مثال	۵
انسان علم سمجھ لیتا ہے لیکن صدیوں کے بعد	۶
علم اور انبیاء کے کاموں میں فرق	۱۰
انبیاء کی ضرورت کے بارے میں ایک اور بیان	۱۱
انبیاء کی ضرورت کا دوسرا بیان	۱۲
آیا انبیاء کی دعوت پر ہمیں بے اعتنا رہنا چاہیے ؟	۱۳
انبیاء کے راستے انسان کی دیرینہ خواہشات پر مبنی ہیں	۱۴
انبیاء کے بارے میں قرآن مجید کا بیان	۱۵
دوسروں پر ایک نظر	۱۷
خلاصہ	۱۷
لوگوں کو قانون کا مطیع کیسے بنائیں ؟	۱۸
نافذ کرنے کی ضمانت کیا ہے ؟	۲۲
فکری ترقی	۲۲
احساسات سے مدد حاصل کرنا	۲۲

مضمون	صفحہ نمبر
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر	۲۴
حکومت اور سزا	۲۴
انبیاء کی شناخت	۲۵
معجزہ دکھانا نہیں ہے	۲۷
معجزے کا تناسب	۲۸
قرآن مجید کا امتیاز	۲۹
چودہ سو سال سے جواب کے منتظر ہیں	۳۱
قرآن کو بہتر پہچانیں	۳۵
قرآن مجید کی تلاوت کے احکام	۴۱
دوسرا طریقہ	۴۲
تیسرا طریقہ	۴۴
پیغمبروں کی مجموعی صفات اور رسولِ اکرمؐ کی سیرت	۴۵
انبیاء کی انسانی زندگی	۴۶
انبیاء کو انتباہ	۴۸
پیغمبروں کا اخلاق	۴۹
اخلاص	۵۰
عصمت	۵۲
یقین کی علامت	۵۳
آسمانی رہبر کی عصمت کی ضرورت	۵۴
چند انتباہ	۵۵
انبیاء کی صفات کی ایک مختصر فہرست	۵۷
انبیاء کی صفات	۵۸

مضمون	صفحہ نمبر
خدا کی بندگی	۵۸
علم غیب	۵۹
پیغمبر اکرمؐ کی زندگی پر ایک نظر	۶۰
آپؐ کی غمخواری اور ہمدردی	۶۱
آنحضرتؐ کا انفرادی اخلاق	۶۱
بیویوں کی دیکھ بھال	۶۲
بچوں کا احترام	۶۳
پیغمبر اکرمؐ بچوں کو سلام کرتے تھے	۶۳
آپؐ ابن الوقت نہیں تھے	۶۴
آپؐ ہمیشہ سب سے آگے ہوتے	۶۴
پیغمبرؐ کی مہمان نوازی	۶۴
رسول خداؐ کی عبادت	۶۵
پیغمبرؐ کی تدبیر	۶۶
پیغمبر اکرمؐ جنگ میں	۶۶
پختہ عزم	۶۷
آپؐ کا زہد	۶۷
پیغمبر اسلامؐ کا اجتماعی سلوک	۶۹
وفا	۶۹
تعلیم	۶۹
اپنے دشمن کو پناہ اور امان دیتے تھے۔	۶۹
دشمن کے ساتھ سلوک	۷۰
اصحاب کے ساتھ سلوک	۷۰

مضمون	صفحہ نمبر
پیغمبر اکرمؐ کی دوسری صفات	۷۱
آپؐ پہلے لوگوں کا خیال کرتے پھر اپنا	۷۳
لوگوں سے مشورہ کیا کرتے تھے	۷۳
مخالف جماعتوں کے ساتھ پیغمبرؐ کا سلوک	۷۴
رسولِ خداؐ سے معافی مانگنا	۷۶
تہمت اور بہتان	۸۰
انبیاء کا کام	۹۴
یزکیھم ویعلمھم	۹۹
لیقوم النّاس بالقسط	۱۰۱
ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم	۱۰۲
مبشرین اور منذرین	۱۰۳
لیخرجکم من الظلمات الی النور	۱۰۶
یا ایھا الذین امنوا استجیبوا اللّٰہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم	۱۰۶
انبیاء کے دوست اور دشمن	۱۱۱
مخالفت کی وجوہات	۱۱۲
انبیاء کے پیروکاروں کو ایذا رسانی اور زبان کے چرکے لگانا	۱۱۹
منافقوں کی طرف سے رکاوٹیں	۱۲۰
انبیاء کے موافقین کا جذبۂ محرکہ	۱۲۱
کمزور دل پیروکار	۱۲۲
ثابت قدم پیروکار	۱۲۳

پیغمبروں کی ضرورت

الٰہی نظریۂ کائنات دنیا و انسان کے بارے میں جو تصور ہمارے ذہن میں موجود ہے اس کے مطابق پیغمبروں کی ضرورت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اگر اس دنیا کی پیدائش کا کوئی مقصد ہے اور وہ مقصد منتخب راستے پر سیدھا چل رہا ہے تو اس انسان کے لئے بھی جو اسی دنیا کا ایک حصہ ہے، ایک صحیح راستہ موجود ہونا چاہیے (جو ہر قسم کی خطا، لغزش اور انحراف سے پاک ہو) اور وہی راستہ انبیاء کا راستہ ہے۔ اگر انسان کے لئے ایسا راستہ موجود نہ ہو تو وہ اس کائنات میں ناہم آہنگ ٹکڑا نظر آئے گا۔ اگر انسان کی پیدائش کا کوئی مقصد ہے اور انسان کو اپنی سعادت و خوشبختی کی ابدی منزل پر پہنچنا ہے تو بغیر مجموعی منصوبے اور مکمل پتے کے اس مقصد کو حاصل کرنا مشکل ہے اور پیغمبر اس صحیح منصوبے اور پتے کو دینے کے لئے موجود ہیں اگر انسان غلطی کا پتلا ہے تو اس کو متنبہ کرنے والا بھی کوئی ہونا چاہیئے اور انبیاء معاشرے کو ڈرانے والے اور متنبہ کرنے والے ہیں۔

اگر انسان ذمہ دار ہے تو اس کو خدا کی عدالت میں حساب دینا ہوگا۔ پس ان ذمہ داریوں اور احکام کو لوگوں تک پہنچانے والے بھی پیغمبر ہیں۔

اگر انسان اپنے مستقبل کے بارے میں غور کرنا چاہے تو کوئی ایسا شخص ہونا چاہیے جو اس کے مستقبل کے بارے میں وضاحت اور تشریح کرے۔ اس قسم کی تفسیر اور تشریح سے ہی انسانی کارواں کے لئے پیغمبروں کا کردار واضح ہوتا ہے۔

لیکن مادی جہاں بینی میں اگر زندگی کے لئے کوئی ایسا راستہ اور مقصد معین نہیں ہو سکا اور انسان بھی پہلے سے معین شدہ منصوبے کے بغیر ہی بنایا گیا ہے اور کچھ مدت کے بعد نابود ہو جائے گا، یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو نبوت کا مسئلہ نہیں ہے۔

لہٰذا نبوت کا مسئلہ ہماری زندگی کے اصلی مقصد میں موجود ہے یعنی اسلامی اور انسانی مقصد تک پہنچنا، وہ بھی صرف ایک ہی راستے سے ممکن ہے اور وہ راستہ ہے جو

جا چکا ہے۔ کسی دین، مذہب یا عقیدے نے تمام افراد پر علم حاصل کرنے کو فرض نہیں کیا اور جیسے اسلام نے علم کی اہمیت کو زمانہ جاہلیت میں اُجاگر کیا۔ اس طرح آج تک کسی جگہ یا کسی علاقے اور کسی ملک میں کسی دانشور نے اس طرح بیان نہیں کیا ہے آپ تاریخ میں کوئی ایسا صاحب مکتب (پیغمبر یا دین لانے والا شخص) بتائیں جس نے تعلیم حاصل کرنے کی مدت گہوارے سے لے کر گور (پنگھوڑے سے قبر) تک معین کی ہو اور اسکے موضوع کو حیوان شناسی (Zoology) سے لے کر ستارہ شناسی (Astronomy) تک اور معلم کو خود دشمنوں میں سے اور علم کی حدود کو آسمانی ستیاروں تک بڑھا دیا ہو۔ اس کے باوجود ایسا علم ہمارے علم و عقل کو ہرگز پیغمبروں سے بے نیاز نہیں کرتا، کیونکہ:

۱۔ انسان کا علم محدود ہے۔ ہر روز کالجوں اور مہارتوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے نئی نئی دریافتیں اور ایجادیں انسان کو حاصل ہو رہی ہیں۔ علم و عقل پر انسان کو چھوڑ دینا حقیقت میں اس کو مشکلات اور سنگلاخ وادیوں میں حیران و پریشان چھوڑ دینے کے برابر ہے کیونکہ انسانوں کے فہم اور عقل مختلف ہیں۔ زیادہ اور سب سے خطرناک اختلافات اور جھڑپیں عاقل انسانوں سے پیدا ہوتی ہیں وہ علم و عقل جو اس قدر مشکلات اور جنگیں وجود میں لاتی ہے وہ کیسے ان اختلافات اور جھگڑوں کو مٹانے کا باعث ہوسکتی ہے! ہر شخص ایک چیز کو اچھا سمجھتا ہے جس کو دوسرا عام طور پر بُرا جانتا ہے یا اچھا نہیں سمجھتا۔

ہاں تو انسان کی واقفیت بہت کم ہے۔ نہ تو اس کو ماضی کی صحیح خبر ہے اور نہ ہی مستقبل کی اور نہ ہی وہ اپنے کاموں کے فوری یا تدریجی ردعمل سے ہی آگاہ ہے۔ کیا ہی اچھا کہا ہے کہ "انسان کا علم جہالت کے پہلو میں ایسے ہی ہے جیسے سمندر کے پاس ایک قطرہ یا ایک چھوٹی سیڑھی کی طرح ہے کہ اس پر چڑھ کر فضا کو محسوس کیا جائے۔ اس محدودیت کی دوسری نشانی قوانین کی تبدیلی ہے جو تمام ملکوں میں ہوتی ہے یا ارادوں اور فیصلوں کی تبدیلی جو ایک انسان میں رونما ہوتی ہے۔

۲شناخت میں رکاوٹیں

ایک وہ بحث جو شناخت کے موضوع میں سامنے آتی ہے وہ "شناخت میں رکاوٹوں" کے بارے میں ہے۔ انسان عقل وفکر اور تعلیم کی طاقت رکھتے ہوئے بھی کبھی کبھی خواہشات کے طوفان میں بہہ جاتا ہے جس کی وجہ سے حقیقت کو پہچاننے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے قرآن اور حدیث میں شناخت میں رکاوٹوں کو جاننے کے لئے بہت توجہ دی گئی ہے۔ انسان میں ہر قسم کے غضب، غصے، شہوت، محبت، تعصب اور خواہش وغیرہ ۔۔۔۔ صحیح شناخت کی راہ رکاوٹ بن سکتے ہیں اور اس طرح انسان کو حقیقتوں کو سمجھنے میں مانع ہوتے ہیں۔

مثال

گروپ کی صورت میں سفر کرنے کیلئے گاڑی میں نظم ونسق برقرار رکھنے کی خاطر ٹکٹ دیئے جاتے ہیں لیکن یہ ٹکٹ اس وقت عادلانہ اور حقیقت پسندانہ طور پر جاری ہو سکتے ہیں جب ٹکٹ دینے والوں کی نفسانی خواہش کا غلبہ نہ ہو ورنہ جب مسافروں میں سے کسی ایک نے زیادہ پیسے دیئے یا ٹکٹ جاری کرنے والا کسی کا دوست ہو جس کی وجہ سے اس کی محبت اور یا اس کی اجتماعی شخصیت اس پر حاوی ہو گئی تو وہ ہرگز عادلانہ طور پر ٹکٹ جاری نہیں کر سکے گا اگر گاڑی میں نظم ونسق برقرار کرنے کے لئے مکمل حقیقت پسندی اور کسی کے ساتھ وابستگی نہ ہونے کی ضرورت ہے تاکہ ٹکٹ سو فیصدی عادلانہ طور پر جاری ہوں تو کیسے ہو سکتا ہے کہ معاشرے کے لئے ایک ایسا قانون بنانا جو معاشرہ کے تمام پہلوؤں اور ضروریات کو پورا کر سکے وہ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہو جنکے تمایلات اور رشتے ان کو ادھر ادھر کھینچ کر لے جائیں؟

مختصر یہ کہ چونکہ انسان نفسانی خواہشات کا مغلوب ہے اور حقیقتوں کو انکی حقیقی شکل میں نہیں دیکھتا اور اپنی شناخت کو بعض اوقات ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے لہذا اسکو قانون سازی کا حق بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ خداوند تعالی قرآن مجید میں

اور کہاں تک ان کے ماحول، خاندانی یا قبائلی یا اقتصادی نظام نے حقیقی شناخت کے راستوں کو تبدیل کیا ہے؟

ھ : کہاں تک ان قوانین کے ردِّعمل دیر یا زود شخص یا ہمارے معاشرے کے لئے ضرر رساں نہیں ہیں؟ یہ ایک قسم کے شکوک ہیں جو حقوقِ انسانی کی حمایت کرنے والوں اور یا ان لوگوں کے تجربات سے جو معاشرتی عدل و انصاف کا ڈھول پیٹ رہے ہیں۔ یقیناً یہ تبدیل ہو چکے ہیں اور ہم سب نے دیکھ لیا ہے۔ ان حمایت کرنے والوں نے محروم اور غریب لوگوں کی نجات کے لئے کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھایا ہے اور شاید دنیا میں بہت کم انسان موجود ہوں کہ ان انسانی قوانین کو نافذ کرنے کے ان تلخ تجربات سے مطمئن ہوں اور اگر بعض یا کسی علاقے میں انہی سیاستدانوں اور قانون دانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل درآمد ہو رہا ہے تو وہ مادی زندگی کو جاری رکھنے کے لئے ہے یا حکومت کے جرمانے اور مخالفت کے ڈر کی وجہ سے ورنہ کسی علاقے میں لوگ پیغمبروں اور انبیاء کے بنائے ہوئے قوانین اور راستوں کے علاوہ کسی مکتبِ فکر پر عشق اور ذوق و شوق سے عمل پیرا نہیں ہوں گے۔

جب انسان آزادانہ پیدا ہوا ہے اور آزادانہ اس دنیا میں آیا تو کیوں کسی کا حلقہ بگوش غلام اور محکوم ہو؟ ہاں اس قسم کے مسائل اور شکوک انسان کے اندر عشق اور ذوق و شوق کو خشک کر دیتے ہیں۔ یہ بدگمانی اور عدم دلچسپی اس وقت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے جب انسان کو ان قوانین کے مطابق عمل کرنے پر کسی قسم کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ جہاں کہیں ان قوانین پر عمل کرنے سے غلطی یا نافرمانی سرزد ہوئی تو فوراً اس سے پوچھ گچھ یا اس پر مقدمہ چلانے کے لئے عدالتیں قائم ہو جاتی ہیں حالانکہ اس نے ایک عمر تک ان قوانین کے مطابق حرکت کی ہے اور کر رہا ہے اور اس کو کوئی صلہ نہیں ملا ہے اور یہ آسمانی قوانین کے برخلاف ہے کیونکہ اس قانون نے جس طرح گناہگاروں اور خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے سزا مقرر کی ہے۔ اسی طرح اہلِ تقویٰ اور تابع دار افراد کے لئے قیامت میں صلہ اور پاداش بھی رکھا ہے۔ انبیاء کے مکتب میں حتیٰ کہ وہ اقدام جو انسان کسی خاص مقصد کے لئے کرتا ہے اس کے لئے بھی اجر اور پاداش مقرر کئے

گئے ہیں اور یہ انبیاء کے راستے کی ایک خصوصیت ہے۔

اپنے بیان کو مثال کے ذریعے بیان کرتے ہوئے مختصر کرتے ہیں:

آپ ایک میزبان کو ذہن میں رکھیں جس نے لوگوں کو مہمانی اور دعوت پر بلایا ہے لیکن اس کے مہمان اس کے گھر کا راستہ نہیں جانتے اور دوسری طرف اس کے گھر کو جانے والے راستے میں سے بہت سے اور راستے بھی نکلتے ہیں۔ ان راستوں میں گمراہ کن انسان اور درندے، حیوانات اور رات کا اندھیرا وغیرہ بھی موجود ہو۔

اس مثال میں صرف دو راستے موجود ہیں:

۱۔ میزبان دعوت کو نظر انداز کردے اور اس مہمانی کے لئے کوئی خوراک تیار نہ کرے یا تیار شدہ خوراک کو دور پھینک دے۔

۲۔ ایک ہمدرد اور واقف کار شخص کو دیا یا بتی اور اسلحہ دے کر مہمانوں کی راہنمائی کیلئے بھیجے۔ کیونکہ اس کے بغیر دعوت کی بنیاد منسوخ ہو جائے گی۔

اب جبکہ یہ مثال واضح ہوگئی تو اپنی بحث کو دوبارہ شروع کرتے ہیں؛

اللہ تعالیٰ جس نے تمام جہان کو انسانوں کے فائدے اور استفادے کے لئے بنایا ہے اور پھر ہم سب کو ابدی سعادت اور اپنی بندگی و عبادت کے لئے دعوت دی ہے تو اس بات کے مدِ نظر کہ ہم راستہ نہیں جانتے یا راستہ ڈھونڈنے میں غلطی کرتے ہیں اور اپنے راستے میں گمراہ کن اور انحرافی راستوں، شیطانی وسوسوں، اندھیروں، شرک، جہالت اور تفرقوں سے دوچار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ راستے میں ہمیں گمراہ اور اغوا ہونے کی دھمکیاں ملتی ہیں تاکہ ہم مجبوراً منحرف ہو جائیں۔ تو پھر اگر وہ میزبان جو خدا تعالیٰ ہے۔ ایک راہنما کو جو پیغمبر ہے اور ایک چراغ اور دیا جو معجزہ ہے۔ مکمل پتے اور منصوبے کے ساتھ جو قرآن مجید ہے، اس کے ایک ہاتھ میں اور دوسرے ہاتھ میں شمشیر اور طاقت ہماری راہنمائی اور ہدایت کیلئے نہ بھیجے تو وہ مہمانیاں اور دعوتیں جو اللہ نے ہمیں دی ہیں منسوخ اور فضول ہو جائیں گی۔ لہٰذا پیغمبروں کو بھیجنے کا اصلی اور حقیقی مقصد فوت ہو جائے گا کیونکہ پیغمبروں کی بعثت کا مقصد حقیقی ارتقاء کی طرف انسانی

کے لئے خداوند کو حکم اور ہدایت دینی چاہیئے کیونکہ وہی اس کا بنانے والا ہے اور اس کی تمام مادی اور معنوی ضروریات سے پوری طرح واقف ہے اور اس کے تمام ابدی اور مستقبل کے راستوں سے باخبر ہے۔

انبیاء کی ضرورت کا دوسرا بیان

انسان زندگی میں ایک راستے کو انتخاب کرنے کے لئے مجبور ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان اس راستے کو کس سے پوچھے ؟

۱۔ آیا اپنی عقل اور ذاتی رجحان سے ایک راستے کو انتخاب کرے ؟

۲۔ دوسروں کے انتخاب شدہ راستے کو اپنے لئے اپنائے ؟

۳۔ یا اپنے لئے وہی راستہ اختیار کرے جو پیغمبر اور انبیاء خدا کی طرف سے لائے ہیں۔

ہمارا تھوڑا سا مطالعہ ہمیں تیسرے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے کیونکہ تجربے سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ہم نے بارہا ایک راستے کو انتخاب کیا لیکن اس کے بعد ہم اپنی غلطی کو سمجھتے ہوئے راستے کو تبدیل کرنے پر مجبور ہو گئے۔ آپ کسی ایک ایسے انسان کو نہیں لا سکتے کہ اپنی عمر میں ہزاروں بار اپنے کئے پر پشیمان نہ ہوا ہو اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارا علم محدود ہے اور ہماری عقل احساسات، خواہشات اور ماحول سے اثر پذیر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ہم اپنی خواہشات اور میلانات سے بدظن ہو جاتے ہیں لہٰذا اس وجہ سے پہلے راستے کو ترک کرنے پر مجبور ہیں۔

دوسروں کے بتائے ہوئے یا انتخاب کئے ہوئے راستے بھی ہمارے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے کیونکہ پھر وہی محدودیت عقل کی بے چارگی نفسانی خواہشات کا طوفان جس نے ہمارے راستے کو تبدیل کر دیا تھا ان کو بھی لغزش اور غلطی سے دوچار کر دیتا ہے۔

صرف وہی راستہ باقی ہے جو خدا کے لامتناہی علم سے وحی اور معصوم پیغمبروں کے

ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔

آیا انبیاء کی دعوت پر ہمیں بے اعتنا رہنا چاہیے؟

بہت زیادہ دلائل ہمیں انبیاء کی طرف راہنمائی کرتے ہیں جن میں سے بعض نمونے یہاں کئے جاتے ہیں :

۱۔ پوری تاریخ میں پیغمبروں نے بہت ہی مشکل انقلابات شروع کئے تھے اور شہادت تک جاری رکھے ہیں۔ ان بزرگوں کے اچھے کردار دوستوں اور دشمنوں پر واضح تھے۔ یہاں تک کہ خود دشمن بھی ان پیغمبروں پر گناہ اور برائیوں کا الزام نہیں لگا سکتے تھے۔ انہوں نے واضح دلائل اور بہت زیادہ معجزے بھی دکھائے لہٰذا اس طرح سچے پیروکار پیدا کر لئے۔ اگر ہم انبیاء کے ان تمام انقلابات کی دعوت کو ذمہ داری اور اس کی خلاف ورزی کو عذاب الٰہی کا احتمال دیں تو بھی ہمیں اپنی رائے اور نظریے میں تجدید کرتے ہوئے پیغمبروں کے راستوں پر چلیں تو ہم مذہبی طلبہ کے قول کے مطابق ممکنہ نقصانات کو دور کرنا ضروری اور واجب ہوتا ہے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ نقصان کا احتمال کم ہے کیونکہ عقلمندی انسانوں میں جس قدر بھی احتمال ہو چونکہ احتمال کا اصلی ھدف سخت عذاب، خطرہ اور ابدی عذاب ہے تو عقل ہمیں ان بزرگوں کے انتخاب کردہ راستوں میں تحقیق اور اپنی رائے میں تجدید کے لئے حکم دیتی ہے اور اپنے راستے کی طرف کھینچتی ہے۔

۲۔ پہلے زمانے سے کہا گیا ہے کہ ادب کو بے ادبوں سے سیکھنا چاہیئے اور وہ جو کام کرتے ہیں ہمیں ان کے برعکس انجام دینے چاہئیں۔ یہاں اگر ہم انبیاء کے مخالفوں پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ پہلے زمانے میں "ابو" (ابوجہل وغیرہ) اور آج بڑی طاقتیں مخالف ہیں۔ قدیم زمانے میں ابوجہل، ابولہب وغیرہ مخالفت کرتے تھے اور آج یہ بڑی طاقتیں پیغمبروں کی سخت مخالف ہیں۔ ہم ان شیطانی طاقتوں کی مخالفت سے بھی

ہر قسم کے بہانے ختم ہو جاتے ہیں اور صرف خدا ہی ہے جو ان لوگوں کو عذاب دے جو اس کے پیغمبروں کے منصوبوں اور مکتبوں کی طرف توجہ نہیں کرتے اور ان کی مذمت کرتے ہیں۔

۶۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ (سورہ انفال آیہ ۴۲) جو شخص ہلاک ہونے والے ہے وہ ہے ہلاک جاتے اور دلیل کے باعث اور جو شخص زندہ ہونے والا ہے وہ دلیل و برہان سے زندہ ہو جائے۔
ہاں! خدا کی طرف سے راستہ اور گڑھا واضح ہو جانا چاہیے تاکہ انسان دونوں میں ایک کو اطلاع اور مکمل آزادی کے ساتھ انتخاب کرلے۔

۷۔ رسلا مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل (سورہ نسار آیہ ۱۶۵) ہم نے پیغمبروں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے بنا کر بھیجا تاکہ اس کے بعد لوگوں کے لئے کوئی عذر یا بہانہ نہ رہے کیونکہ اس کے بغیر لوگ اپنی خلاف ورزیوں کو بے اطلاعی کا بہانہ بنائیں گے اور ہر سزا اور تنقید یا دھمکی وغیرہ کے مقابلے میں کہیں گے کہ کسی نے ہمیں اطلاع نہیں دی تھی اور اسطرح لوگوں کے لئے اعتراض کا راستہ کھلا رہے گا

۸۔ ولو انا اھلکنا ھم بعذاب من قبلہ لقالو ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع ایاتک من قبل ان نذل ونخزیٰ (سورہ طٰہٰ آیہ ۱۳۴)
یہ آیت بھی پہلی آیت کی طرح ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر ہم پیغمبروں کے ظہور سے پہلے لوگوں کو موت دے دیں تو وہ اعتراض کرتے ہوئے کہیں گے کہ اسے ہمارے خدا جب تو اس راہ وروش سے راضی نہیں تھا تو تو نے ہمارے لئے پیغمبر اور رسول نہیں بھیجا تاکہ ذلت و بدبختی میں جانے سے پہلے ہمیں ہدایت کرتا اور ہم اس کی پیروی کرتے۔

دوسروں پر ایک نظر

جو لوگ اپنے آپ کو مکتبِ وحی اور انبیاء کے طریقوں سے بے نیاز جانتے ہیں وہ اپنی زندگی کے لئے اپنے بنائے ہوئے قوانین پر عمل پیرا ہوتے ہیں :

۱۔ وہ انفرادی اور استبدادی قوانین جو ایک خودغرض اور مغرور انسان کے ارادے سے نکلے ہوتے ہوں ان میں ہر قسم کی کمزوریاں اور مجبوریاں ، خفقان ، حماقتیں اور تنگ نظریاں ہوتی ہیں ۔

۲۔ طبقاتی اور استبدادی قوانین جن کو صرف مزدور یا سرمایہ دار طبقہ بناتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے قوانین بھی صرف ایک ہی طبقے یا جماعت کی مصلحت نظر میں رکھتے ہیں اور اسی حاکم طبقے کے زیر اثر ہوتے ہیں ۔

۳۔ قومی اور ملی قوانین قوم کے ووٹ سے بنائے جاتے ہیں۔ خواہ یہ قوم کچھ جانتی ہو یا نہ ۔ یہ قوانین حقیقت اور مصلحت پر مبنی ہوں یا نہ اور آج کی دنیا اسی تیسری قسم کے قوانین کو ترقی یافتہ قوانین جانتی ہے۔

خلاصہ

یہاں ہم نے یہ جان لیا کہ کون شخص کس ذریعے سے قانون سازی کا حق رکھتا ہے اور یہ بھی جان لیا کہ قانون ساز کو مندرجہ ذیل صفات کا مالک ہونا چاہیئے۔

۱۔ وہ شخص مکمل علم اور لامتناہی علم رکھتا ہو اور ایسے ہی انسان کی ظاہری اور باطنی ضروریات و مسائل سے پوری طرح واقف ہو۔

۲۔ انسان پر مکمل لطف و مہربانی رکھتا ہو۔

۳۔ مکمل طور پر عادل ہو اور کسی شخص یا گروہ کی طرف میلان کو مصلحت اور حقیقت پر ہرگز ترجیح نہ دے۔

۴۔ خود بے نیاز اور غنی ہو۔

ظاہر ہے کہ ایسا قانون ساز خدا کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا جس کے پیغامات، ہدایتیں اور قوانین اس کے پیغمبروں کے ذریعے انسانوں تک پہنچتے ہیں۔ ہاں پیغمبر ایک ایسی مشین کی طرح ہیں جو آواز کو اپنے اندر محفوظ کر لیتی ہے اور یہ مشین انسان کے وجود کے اندر نصب ہے۔

لوگوں کو کیسے قانون کا مطیع بنائیں؟

ہر قانون ایک طریقے سے لوگوں کے درمیان نافذ ہوتا ہے اور مختصر طور پر ان طریقوں کو بیان کرتے ہیں:

۱۔ جہالت اور حماقت کے ذریعے: کبھی کبھی لوگ صرف ایک قانون کو عدم اطلاعی اور بے خبری سے قبول کر لیتے ہیں۔ اس بارے میں اقبال لاہوری کہتے ہیں:

آدم از بے بصری بندگی آدم کرد   گوہری داشت ولی نذر قباد و جم کرد
یعنی از خوی غلامی ز سگان خوار تر است   من ندیدم کہ سگی پیش سگی سر خم کرد

(انسان نے اپنی حماقت اور جہالت سے انسان کی غلامی اختیار کر رکھی ہے۔ انسان کے پاس ایک جوہر (قیمتی موتی۔ دل) تھا جس کو اس نے قباد اور جم (کیقباد اور جمشید دو قدیم ایرانی بادشاہ) کی نذر کر دیا ہے۔ یعنی انسان اپنی غلامانہ عادات میں کتوں سے بھی گر چکا ہے بلکہ میں نے کبھی کسی کتے کو بھی نہیں دیکھا جو دوسرے کتے کے سامنے غلامی سے سر جھکا کر کھڑا ہو)

اسلام ہرگز اندھا دھند تقلید اور پیروی کو قبول نہیں کرتا اور قرآن مجید میں بہت سی ایسی آیات موجود ہیں جن میں بت پرستوں کے طریقوں پر سخت تنقید کی گئی ہے (جو اپنے مخالفانہ کردار کو اپنے آباؤ اجداد کی تقلید بتاتے تھے)

واذا فعلوا فاحشۃ قالوا وجدنا علیھا ابآءنا (سورۂ اعراف آیہ ۲۸) جس وقت کسی فحش عمل اور خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے تھے تو ان کی صرف دلیل ہوتی تھی کہ انکے آباء و اجداد بھی یہی کام کرتے آئے ہیں اور ماسوا اللہ کی پرستش کے بارے میں کہتے تھے: "قالوا وجدنا آباءنا لھا عابدین (سورۂ انبیاء آیہ ۵۳)

۲۔ خوف اور لالچ : استبدادی اور ظالم لوگ ہمیشہ رعب و دحشت کے ذریعے لوگوں کو غلام بناتے ہیں اور اس طرح اپنے قوانین کو جاری کرتے ہیں۔ فرعون نے موسیٰ کو کہا تھا: قال لئن اتخذت الهاغیری لاجعلنك من المسجونین (سورہ شعراء آیہ ۲۹)۔ اگر میرے بغیر کسی اور خدا کو تو نے قبول کر لیا تو تمہیں ضرور جیل میں ڈال دوں گا۔

بعض لوگوں کو لالچ سے اپنی طرف کھینچتے ہیں جیسا کہ فرعون نے اپنے زمانے کے جادوگروں کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا اور ان کو وعدہ دیا تھا کہ اگر تم نے موسیٰؑ کو ذلیل و خوار کر دیا تو تمہیں بہت زیادہ انعام دوں گا اور اپنے دربار میں بلند مرتبے بھی دوں گا۔ "فلما جاء السحرة قالوا لفرعون ائن لنا لاجرا ان کنا نحن الغالبین قال نعم وانکم اذا لمن المقربین (سورہ شعرا آیہ ۴۱ اور اس طرح کی دوسری آیت سورہ اعراف آیہ ۱۱۳ ہے) آیا اگر ہم کامیاب ہو گئے تو ہمیں انعام دو گے؟ فرعون نے کہا ہاں اور تم میرے نزدیکی درباریوں میں سے ہو گے۔

ظاہر ہے کہ خوف اور لالچ قانون کو منوانے میں بہت طاقتور عنصر ہیں لیکن یہ دونوں عنصر آزادانہ اور آگاہانہ انتخاب کو سختی سے کمزور کر دیتے ہیں۔ اسلام باوجودیکہ دوزخ سے ڈر اور بہشت کے وعدے دیتا ہے لیکن چونکہ وہ اس دنیا میں فوراً عمل پذیر ہونے والے وعدے نہیں ہیں اور لوگ ان وعدوں تک پہنچنے کے لئے ایک زمانے اور موت تک انتظار کرتے ہیں تو خدائی حکم کو قبول کر کے اطمینان سے اپنی راہوں پر چلتے رہتے ہیں۔ لہٰذا ایسے اشخاص میں فرق ہے کہ ایک کو قرض کی ادائیگی کے لئے صرف کل کی مہلت ہے اور ایک کو ادائیگی میں کئی سال بعد کا وقت ہے۔ پہلا شخص سخت پریشان ہو جاتا ہے حالانکہ دوسرا ایسا معلوم ہوتا جیسے بالکل مقروض ہی نہیں ہے۔

وہ خوف اور لالچ جو قیامت کی خاطر ہو وہ ہرگز انسان کو کسی عمل پر مجبور نہیں کرتا۔ ہمارا بہترین چشم دید تجربہ عوام پر صادق آتا ہے کہ خدائی وعدوں کی اطلاع

رکھتے ہوئے بھی عمل میں اس قدر سستی کرتے ہیں۔

۳۔ ضرورت اور رقابت : تیسرا عنصر جو انسان کے لئے کسی قانون کو قبول کرنے کا محرک ہو سکتا ہے وہ ضرورت اور رقابت ہے۔ مال و دولت کی ضرورت دوستوں اور دشمنوں کے مقابلے میں انسان کے اندر چند گنا طاقت اور کوشش پیدا کر دیتی ہے۔

۴۔ فہم اور تشخیص بھی قانون کو قبول کرنے کے عناصر ہیں :

اگر پولیس ڈرائیوروں کے لئے ایک راستہ بند کر دے اور ڈرائیور کو اس کی وجہ معلوم ہو جائے تو بہت ہی آرام سے اور بغیر کسی حیل وحجت کے قانون مان لیتا ہے لیکن اگر اس کی وجہ نہ سمجھے (اگرچہ بہت ہی تھوڑی) اور خصوصاً اگر اس میں کسی ناجائز فائدے اور غرض کا شائبہ ہو تو ہرگز اس کو نہیں مانیں گے۔

اسلام قانون منوانے کے لئے عام طور پر اسی راہ اور طریقے سے استفادہ کرتا ہے کیونکہ کبھی کبھی اجماعی طور پر فرماتا ہے کہ فلاں عمل کو انجام دیں تاکہ تم میں تقویٰ اور پرہیزگاری کی روح کو تقویت ملے۔ (۱) اور اس کی وجہ کو معنوی ترقی کے طور پر تعارف کراتا ہے اور یا بخشش کرنے والوں کی تعریف میں فرماتا ہے : وتثبیتا من انفسھم (سورۂ بقرہ آیہ ۲۶۵) بخشش، بذاتِ خود ایک بہت ہی اچھا اور اہم عمل ہے جو تمہاری نفسانی اور روحانی قوتوں میں موجود ہے۔ ہمارے معصوم پیشواؤں اور اماموں کی احادیث میں اسلامی قوانین کی بہت سی وجوہات کا ذکر کیا گیا ہے اور اس بارے میں کتابیں بھی لکھی جا چکی ہیں۔ (۲)

---

(۱) مثلاً سورۂ بقرہ آیہ ۱۸۳ میں روزے کا حکم جس میں فرمایا گیا ہے "یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون" (اے مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلی قوموں پر فرض کئے گئے تھے اور اس حکم کی اطاعت کا مقصد یہ ہے کہ تم اہلِ تقویٰ بن جاؤ)

(۲) علل الشرائع

خوش قسمتی سے علم کی ترقی بھی روز بروز حقائق کو واضح کر رہی ہے اور فلسفہ کے احکام و قوانین روز بروز سامنے آ رہے ہیں ①

۵۔ عشق و محبت ؛ پانچواں عنصر عشق و محبت کا ہے کیونکہ اگر ہمیں کسی سے پیار ہو تو اس کے احکام کو قبول کر لیتے ہیں اگرچہ یہ محبت دنیاوی ہی کیوں نہ ہو تو اس عشق و محبت کی کیا ہی بات ہوگی جو عقل و شعور پر مبنی ہو" والذین امنو اشد حبا للّٰہ" (سورہ بقرہ آیہ ۱۶۵)۔ (جو لوگ خدا پر ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے لئے بہت زیادہ عشق و محبت رکھتے ہیں)

لوگوں کے لئے قانون کو قبول کرنے کے یہی راستے اور طریقے تھے۔ لہٰذا تکرار اور دہرانے کی ضرورت نہیں ہے کہ بہترین اور سب سے معقول چوتھا اور پانچواں طریقہ ہے۔

فہم و شعور اور علم کا راستہ اور ایسے ہی عشق و محبت کے بارے میں اسلام کا صریح حکم ہے کہ فرماتا ہے: "ادع الی السبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن" لوگوں کو حکیمانہ اور با دلائل بیان اور دلکش واعظوں کے ساتھ اور آخر کار جنگ کر کے خدا اور اسلام کی طرف دعوت دو۔ لڑائی جھگڑے اور جنگ سے استفادہ کا حکم بالکل آخر میں دیا گیا ہے لیکن اصلی راہ درورش تعلیم دینا اور لوگوں میں عشق و محبت پیدا کرنا ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے: "فلیعبدوا رب ھذا البیت الذی اطعمھم من جوع وامنھم من خوف" (سورۂ قریش آیہ ۴) لوگوں پر فرض ہے کہ اس گھر کے مالک کی پرستش اور عبادت کریں کیونکہ وہی تھا جس نے لوگوں کو بھوک اور ڈر سے پیٹ بھر کر کھانا کھانے اور آرام و اطمینان کے ساتھ سکون دیا تاکہ ان کے احساس قدر دانی اور عشق کو خدا کے لیے اُکسائے اور اُبھارے۔

---

① البتہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم جس قانون کے بارے میں اس کی اصلی دلیل اور وجہ نہ جانتے ہوں اس پر عمل نہ کیا جائے۔

نافذ کرنے کی ضمانت کیا ہے؟

گذشتہ بحثوں میں ہم نے کہا ہے کہ جہالت، حماقت، ڈر، لالچ، ضرورت اور رقابت میں سے کوئی چیز بھی قانون پر عمل کرنے یا اس کو صحیح طور پر لاگو کرنے کا عنصر نہیں ہو سکتا۔ بہترین عنصر یہی ہے کہ افراد کی فکری ترقی کو بڑھایا جائے اور ان میں اس ذات کے بارے میں عشق و محبت اور فہم و شعور پیدا کیا جائے جو حکم دیتی ہے۔ اب ہم قانون نافذ کرنے کے طریقوں کو یہاں بیان کرتے ہیں:

۱۔ فکری ترقی: اسلام کی مانند کسی بھی مکتب اور مذہب میں علم حاصل کرنے اور غور کرنے پر زور نہیں دیا گیا ہے۔ اس قدر پرہیزگار اہل علم کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے یا زمین میں سیر و سیاحت کرنے یا لوگوں کے ساتھ مشورہ کرنے کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری سوچ اور سمجھ میں وسعت پیدا ہو۔ پورے قرآن مجید میں گزشتہ اقوام کی تاریخ اور تنزل کے اسباب، انبیاء کی تاریخ اور ان کی کامیابی کے راز لکھے نظر آتے ہیں اس زمانے میں سو سے زیادہ کالج دنیا میں اسلامی تبلیغ اور الٰہیات و معارف کی ترقی کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ ایرانی انقلاب نے سیاستدانوں کے افکار کو اپنی طرف متوجہ کیا اور انہوں نے کئی ایسے تحقیق کرنے والے گروہوں کو جمع کیا۔ لیکن ضد بازی اور جمود عام طور پر ان لوگوں کا شیوہ ہے جن کے خیالات محدود ہوتے ہیں اور قرآن مجید کے قول کے مطابق: ام علی قلوب اقفالھا (سورہ محمد آیہ ۲۴) لہٰذا گزشتہ اُمتوں اور قوموں کی ضد بازیاں اور ان کی ہلاکت کے بیانات بہت زیادہ حد تک قانون کے نفاذ کا عنصر شمار ہوتے ہیں۔

۲۔ احساسات سے مدد حاصل کرنا: انسان کی ترغیب کا ایک عنصر احساسات سے مدد حاصل کرنا ہے۔

حوصلہ افزائی کا مسئلہ بھی قرآن مجید میں آیا ہے کہ ایک جگہ پیغمبر کو ارشاد ہوا، وصل علیھم ان صلوتك سكن لهم (سورہ توبہ آیہ ۱۰۳) اے جو لوگ اسلامی ٹیکس اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان پر درود اور سلام بھیجیں کیونکہ یہ حوصلہ افزائی انکے اطمینان قلب کا باعث ہوگی یا دوسری آیتوں میں ہم پڑھتے ہیں، "وتواصوا بالمرحمۃ (سورہ بلد آیہ ۷) یا وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔ (سورہ عصر آیہ ۳) ایک دوسرے کو رحم، استقامت اور حق کی طرف حوصلہ افزائی کریں۔

ایک اور جگہ پر قرآن مجید فرماتا ہے: وما لكم لا يقاتلون في سبيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان الذين يقولون ربنا اخرجنا من هذه القريه الظالم اهلها۔ (کیوں تم لوگ خدا کی راہ میں اور ان غریب مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے جنگ نہیں کرتے جو ظالم لوگوں کی قید میں ہیں اور تمہیں پکار رہے ہیں اور اپنی رہائی کی خدا سے دعا کرتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع کرنے اور ان کو ابھارنے کے لئے ان بچوں کے معصوم چہروں کو مجسم کرتا ہے جو ظالموں کی قید میں گرفتار ہو چکے ہیں اور لوگوں کے احساسات سے مدد کے لئے پکارتے ہیں۔

ایک اور جگہ پڑھتے ہیں:" او اطعام في يوم ذي مسغبة يتيما ذا مقربة او مسكينا ذا متربة" (سورہ بلد آیہ ۱۴ - ۱۶) قحط سالی اور سختی کے دنوں میں یتیم کو غذا دینا اور کھانا کھلانا اور ایسے ہی اپنے خاندان کے نزدیک یتیم، افراد یا مسکینوں کو کھانا کھلانا جو مٹی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ (غربت سے دوچار ہوں) توجہ کریں کہ یہ سب تعبیریں احساساتی ہیں اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے احساسات کو مدد کے لئے ابھارتے ہوئے ان کو عمل پر ابھارتا ہے۔

۳۔ نافذ کرنے کا تیسرا عنصر جو حقیقت میں بہت ہی قوی ہے، خدا اور روز قیامت پر ایمان کا مسئلہ ہے۔ اس چیز پر ایمان کہ حکم صرف اللہ کا ہی ہوتا ہے اور میں اس کا بندہ اس کی نگرانی میں ہوں اور اسی کی طرف واپس لوٹنا ہے اور اس کی عدالت میں

پیش ہو کر جواب دینا ہے۔ اس بات پر ایمان کہ میرے ہر نیک کام کی دس گنا نیکیاں اور بُرے کام کو اپنی رحمت سے بخش دے گا۔ اس بات پر ایمان کہ نیکی اور بدی ہر ذرے کا حساب ہوگا۔ ہاں یہ ایمان اور اعتقاد اطاعت اور فرمانبرداری میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

۴۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر : اگر ایک معاشرہ بے اعتنائی کی حالت سے باہر نکل آئے پھر سخت کوشی اور فرائض کا احساس بھی اس میں پیدا ہو جائے تو اس معاشرے کے سارے افراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پابند ہو جائیں گے۔ جس طرح اگر ایک گاڑی مخالف سمت میں حرکت کرے تو دوسری ساری گاڑیاں اس کے لئے ہارن بجاتی ہیں اور اس طرح اس کو خلاف ورزی کا احساس دلاتی ہیں اور یہ عمل اس قدر تکرار ہوتا ہے کہ ڈرائیور شرمندگی کی حالت میں راستے کو بدل دیتا ہے۔ ہاں خود لوگ قوانین کو نافذ کرنے کے ضامن ہوتے ہیں۔

۵۔ حکومت اور سزا : مندرجہ بالا مثال میں اگر ڈرائیور اپنے دوستوں اور دوسرے لوگوں کے انتباہ کی طرف توجہ نہ دے اور ان تمام ہارن بجانے والوں اور بتیاں جلانے والوں کے باوجود اپنی حرکت جاری رکھے تو پھر پولیس اور جرمانے کی باری آتی ہے ہاں سزا اور ناراضگی ضروری مواقع پر ہوتی ہے اور یہ " لا اکراہ فی الدین " کی آیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی کیونکہ " لا اکراہ " کی آیت سے مراد دلی ایمان ہے نہ کہ عملی اور مزاحمتی منصوبوں اور پروگراموں سے جن کا نقصان دوسروں کو پہنچتا ہے ورنہ ذخیرہ اندوزی کرنے والے، سود خور، چور وغیرہ سبھی کہہ سکتے ہیں کہ " لا اکراہ فی الدین " کیمطابق ہم چاہتے ہیں قانون کے خلاف گناہ کے فعل انجام دیں۔

باب دوم

انبیاء کی شناخت

انبیاء کی شناخت کے لئے تین طریقے ہیں:

۱۔ پہلا طریقہ معجزہ ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں خالق کائنات، قدرت اور لامتناہی علم کے ساتھ رابطہ رکھتا ہوں تو اسے ایسا کام کرنا چاہیے یا ایسی بات کرنی چاہیے کہ دوسرے اس کو انجام نہ دے سکیں اور اس طرح اپنے دعوے کا ثبوت فراہم کرے وہ خدائی کام کر کے بتا کر یہ معلوم ہو سکے کہ وہ عالم بالا اور خدا کے ساتھ مضبوط تعلق رکھتا ہے۔ اس عمل کو معجزہ کہا جاتا ہے۔

سوال: پیغمبروں کے کام اور موجدوں، جوگیوں، جادوگروں اور پہلوانوں کے کاموں میں کیا فرق ہے؟ کیونکہ ان میں سے بھی ہر ایک شخص نے ایسے کام کر کے دکھائے ہیں جو دوسرے نہیں کر سکے۔ پھر کیوں انہیں پیغمبر نہیں کہا جا سکتا!

جواب: ان لوگوں کے کام ایک مشق اور تجربے کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ انبیاء کے کاموں کے برعکس ایک وہ جوگی جو چالیس دن تک کچھ کھاتا پیتا نہیں اور نہ ہی سوتا ہے اور اسی طرح وہ پہلوان جو بہت ہی بھاری چیز اپنے ہاتھ سے اٹھا لیتا ہے تو یہ سب کام ان کی سالہا سال سے مشقوں نے ان میں طاقت پیدا کر دی ہے۔ ایک پہلوان شروع شروع میں ایک ایسی چیز اٹھاتا ہے جس کو عام آدمی بھی آسانی سے اٹھا سکتا ہے اور آہستہ آہستہ تجربوں اور مشقوں سے بھاری بوجھ اٹھاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک ایسا بوجھ اٹھا لیتا ہے جو ایک آدمی کی طاقت سے چند گنا ہوتا ہے لیکن وہ افراد جو حضرت صالحؑ کے اردگرد جمع ہوئے اور ان سے کہنے لگے کہ اگر تم خدائی طاقت سے رابطہ برقرار کئے ہوئے ہو تو ابھی اس پہاڑ سے اس خصوصیت والی اونٹنی باہر نکالو۔ تو اس وقت حضرت صالحؑ نے یہ نہیں کہا کہ صبر کرو کہ میں مشق کر لوں اور آہستہ آہستہ اس مشق

کے لئے گھر بنائے یا ان کے لئے خط لکھے۔

ان کے علاوہ کیا جب انہوں نے معجزوں کو دیکھا تھا تو انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ جادو کیا گیا ہے؟ جو شخص قبول ہی نہیں کرنا چاہتا اور اس نے ضد بازی شروع کر رکھی ہے تو اس کے لئے لاکھوں دلائل اور کتابیں لائیں اور اس کو منوانے کی کوشش کریں۔ پھر بھی نہیں مانے گا۔ کیا خدا کو پہنچاننے کے لئے بدن کا ہر چھوٹے سے چھوٹا جزء، ایٹم درخت کے پتے اس کا ثبوت فراہم نہیں کرتے ہیں؟ لیکن جو شخص قبول نہیں کرنا چاہتا ہرگز قبول نہیں کرتا۔ لہٰذا یہ معجزہ صرف اس لئے ہے کہ پاک دل اور پاک سرشت لوگوں پر پیغمبر اور خدا کا رابطہ دکھایا جائے۔ پھر یہ ضروری نہیں کہ ہر وقت اور ہر کہیں ہر انسان کی خواہش کے مطابق ہر مسئلے میں معجزہ دکھایا جائے۔ ہم پیغمبروں کی بہت مشکل اور مصروف زندگی کو دیکھتے ہیں جو عام طور پر مشکلات کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے اور بڑے صبر و تحمل اور کوشش کے ساتھ ان مشکلات کو یکے بعد دیگرے حل کر کے ختم کر دیئے تھے اور اسی طرح ان مصیبتوں اور مشکلوں میں ہرگز اپنے اور اپنے پیروکاروں کے لئے معجزے یا اس مافوق الفطرت کام انجام نہیں دیتے تھے۔

معجزے کا تناسب

مشہور ضرب المثل ہے کہ "قدر زر زرگر شناسد قدر گوہر گوہری"۔ (سونے کی قدر زرگر جان سکتا ہے اور موتی کی قدر جوہری) اگر کوئی شخص معماروں، بڑھیوں اور درزیوں کے لئے معجزہ لانا چاہے تو ضروری ہے کہ معجزہ ان کے کاموں کے متعلق اور معیار کے برابر ہو جن سے ان کا فکر اور کام مربوط ہو۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ جس زمانے میں حضرت موسیٰ موجود تھے اور سحر و جادو کا بازار گرم تھا تو اس وقت کے معجزے بھی لاٹھیوں کے سانپ بننے سے متعلق تھے یا جس زمانے میں حضرت عیسیٰ زندگی گزارتے تھے تو اس زمانے میں بیماریوں کا علاج اور حکمت عروج پر تھے تو حضرت عیسیٰ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور حضرت محمدؐ بھی اس زمانے میں پیدا ہوئے۔ جب کہ

عزت و شرف کا معیار، بیان و سخن پر تھا اسی لئے ان کا سب سے اچھا معجزہ بیان و سخن کو مات کرنا تھا اور دوسری طرف ہمیشہ کا دین دائمی معجزے کا محتاج ہے اور قرآن کریم پیغمبر اسلام کا دائمی معجزہ ہے۔

قرآن مجید کا امتیاز

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ہر پیغمبر کے لئے ایک معجزہ ہونا چاہیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ ما فوق الفطرت علم اور طاقت کے ساتھ رابطہ رکھے ہوئے ہے اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ پیغمبر کا معجزہ عوام کے فکر و عمل اور طرز تفکر کے مناسب ہو۔ یہاں ہم پیغمبر اسلام کے معجزے کے امتیازات کو بیان کرتے ہیں:

۱۔ اسلام کا معجزہ (قرآن) ہمیشہ لوگوں کے ہاتھ اور دسترس میں ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے عصا کے بالکل خلاف یا ان مردوں کے برعکس جو حضرت عیسیٰؑ نے زندہ کئے تھے کہ وہ عصا کے زندہ شدہ مردے کسی اور زمان و مکان میں لوگوں کی دسترس میں نہیں ہیں۔

۲۔ اسلام کے معجزے کا مواد وہ الفاظ اور حروف ہیں کہ جن کے ساتھ لوگ ہر روز گفتگو کرتے ہیں۔

۳۔ قرآن مجید معجزہ بھی ہے اور خدا کا حکم بھی۔ دوسرے تمام پیغمبروں کے معجزے ایسے نہیں تھے۔

۴۔ تمام پیغمبروں کے معجزات یک پہلو معجزے تھے لیکن قرآن مجید مرحوم علامہ مجلسی کے مطابق پندرہ پہلوؤں سے اور علامہ طباطبائی کے قول کے مطابق گیارہ پہلو سے معجزہ ہے اور شاید ان پر کچھ اور پہلوؤں کا بھی مستقبل میں اضافہ ہو جائے جن کی بعض علامتیں اب بھی (قرآن کے اعدادی معجزات کی شرح میں اور تھوڑا عرصہ پہلے جیسا کہ قرآن کے مقطعہ حروف کے بارے میں نئی دریافت ہوئی ہیں) دکھائی دیتی ہیں۔

اس بہت ہی عظیم کتاب قرآن مجید میں ۱۱۴ سورتیں، تقریباً ۶۲۰۵ آیتیں اور ۸۷ ہزار الفاظ موجود ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے کئی بار اس کتاب میں مخالفوں کو مقابلے کے

لئے دعوت دی ہے کہ ان تمام ضد بازیوں، رکاوٹوں، پیسہ اور دولت خرچ کرنے، جانوں کے ضائع کرنے، جنگیں لڑنے، بچوں کو یتیم بنانے، افواہیں اڑانے، دہشت گردی کرنے اور تہمتیں لگانے کی بجائے سب مل اکٹھے ہو جائیں اور پورے اتفاق سے قرآن جیسی ایک کتاب لائیں: قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القرآن لا یاتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا۔ (سورہ بنی اسرائیل آیہ ۸۸) اے نبی کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب اکٹھے ہو جائیں تو ہرگز قرآن کی مانند کتاب نہیں لاسکیں گے۔ اگرچہ بعض لوگوں کے حامی اور مددگار دوسرے لوگ بھی ہو جائیں۔ اے نبی جو کہتے ہیں کہ یہ قرآن تمہارا اپنا بنایا ہوا ہے انہیں کو کہہ دے کہ اس قرآن کی سورتوں کی طرح کی سورتیں لائیں: "قل فاتوا بعشر سور مثله مفتریات" (سورۂ ہود آیہ ۱۳) ایک اور جگہ پڑھتے ہیں: "قل فاتوا بسورۃ مثله وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین"۔ (سورۂ یونس آیہ ۳۸) اے نبی کہہ دے کہ ایک سورۃ ہی اس کی مانند لائیں اور خدا کے سوا کسی بھی طاقت سے اس کا امکان تلاش کریں اور امداد حاصل کریں، اگر تم سچے اور صادق ہو۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے: "فلیاتوا بحدیث مثله ان کانوا صادقین (سورۂ طور آیہ ۳۴)۔ (لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ ایک قرآن یا دس سورتیں یا حتیٰ ایک سورت ہی قرآن جیسی لائیں) بلکہ اگر وہ سچ کہتے ہیں تو صرف ایک آیت اور ایک چھوٹا سا مطلب ہی قرآن کی مانند لا کر دکھائیں۔

قارئین کرام، دوبارہ ان چار آیتوں پر غور کریں کہ خداوند نے چند مرتبہ رعایت دی ہے اور ہر بار اپنے فقرات کے ساتھ لوگوں کو دعوت دی ہے کہ قرآن مجید کی مثل چند یا حتیٰ ایک آیت بنا کر لائیں۔

پہلی رعایت: قرآن مجید کی طرح بڑی کتاب سے دس سورتیں لانے پر قناعت کی ہے۔ (سورۂ ہود کی آیہ ۱۳ کے مطابق)

دوسری رعایت : دس سورتوں کو بھی نظر انداز کر کے مخالفوں سے کہا گیا ہے کہ صرف قرآن کی طرح ایک ہی سورت لائیں (سورۂ یونس کی آیہ ۳۸ کے مطابق)

تیسری رعایت : خدا نے فرمایا کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ حتیٰ ایک مکمل سورت لائیں بلکہ صرف ایک مطلب جو قرآن کی طرح کا ہو ہم اسی پر راضی ہیں (سورۂ طور کی آیہ ۳۴ کے مطابق)

اور اب بعض محرک فقروں پر نظر ڈالتے ہیں :

۱۔ لا یاتون بمثلہ .... قرآن کی مانند نہیں لا سکتے۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیہ ۸۸)

۲۔ لئن اجتمعت الانس والجن .... حتیٰ کہ اگر انسان اور جن سبھی اکٹھے ہو جائیں۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیہ ۸۸)

۳۔ لو کان بعضھم لبعض ظھیرا .... اگر ایک دوسرے کی مدد کریں۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیہ ۸۸)

۴۔ ان کنتم صادقین .... اگر وہ سچے ہیں یا اگر وہ سچ کہتے ہیں (سورہ یونس آیہ ۳۸)

۵۔ وادعوا من استطعتم .... ہر صاحب عقل و فکر سے بھی مدد حاصل کر سکتے ہیں۔ (سورۂ یونس آیہ ۳۸)

چودہ سو سال سے جواب کے منتظر ہیں

ان تمام رعایتوں اور محرکات کے باوجود اور اتنے دشمنوں اور منصوبوں کے ہوتے ہوئے کیوں اب تک کسی نے جواب نہیں دیا ؟

ہماری تو مادری زبان عربی نہیں ہے کہ قرآن کی طرح کی کوئی چیز لائیں لیکن عرب لوگ کیوں خاموش ہیں؟ ہم تو اسلام کے چاہنے والے ہیں لیکن اسلام کے دشمن کیوں نہیں اٹھتے۔ اب اس زمانے میں لاکھوں عربی زبان والے مارکسسٹ اور اسلام کے سخت دشمن سارے عربی اور دوسرے ملکوں میں زندگی گذار رہے ہیں اور ہر سال کروڑوں ڈالر بجٹ اسلام کے خلاف سازشوں اور تبلیغات پر صرف کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ کا دائرہ کار بھی اس قدر وسیع ہے کہ بہت تھوڑی مدت میں دنیا کے تمام مفکرین اور دانشوروں کو ایک

سیمینار میں جمع کر کے قرآن کی طرح اور انداز سے ایک مطلب لا سکتے ہیں لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

امیر المومنین علی علیہ السلام اگرچہ عرب کے فصیح ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے اور آپ اس قدر جذبے اور عشق و صلاحیت کے ساتھ دس سال کی عمر میں قرآن کے ساتھ مانوس ہوئے اس کے باوجود اگر نہج البلاغہ میں کہیں بھی ایک چھوٹی قرآنی آیت آئی ہے تو اس آیت کی خاص سج دھج اور شان و شوکت ہے۔ حتیٰ کہ پیغمبر اسلام کی احادیث میں جہاں کہیں ایک آیت موجود ہو تو یہ آیت دوسرے کلام سے ممتاز ہے اور یہی معجزہ کے معنی ہیں کہ زبان وہی زبان، حرف وہی حروف وہی لیکن فقروں میں ترکیب اور موزونی ایسی ہے کہ چودہ سو سال کے عرصہ میں کوئی شخص حتیٰ کہ ایک فقرہ بھی اس کی طرح نہیں بنا سکا۔

اور دوسری طرف یہ کہ ایسے شخص سے یہ مطالب ظہور میں آ رہے ہیں کہ جس نے کہیں سے پڑھا لکھا نہیں ہے اور دنیا میں جس قدر بھی علم آگے بڑھ رہا ہے اور ترقی کرتا جا رہا ہے قرآنی معارف اسی قدر اپنا جوہر زیادہ دکھا رہے ہیں اور یہ خود ایک معجزہ ہے۔

جہاں کہیں بھی علم اور وحی کے درمیان مخالفت نظر آتی ہے یا تو وہ علم حقیقت میں علم ہی نہیں ہے بلکہ صرف ایک نظریہ یا اندازہ ہے اور یا اس بارے میں وحی ہی موجود نہیں ہے ورنہ ایک ایسا مسئلہ جو صد فیصد علمی ہو وہ ہرگز وحی کے مخالف نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیات نظر آتی ہیں کہ اپنے نازل ہونے کے زمانے میں مکمل طور پر پیشین اور غیب سے کی خبروں سے متعلق ہیں لیکن بہت دیر نہیں گزری تھی کہ وہ چیزیں ثابت ہو گئیں۔

جس زمانے میں حساب لگانے والے حساب لگا رہے تھے کہ حضرت محمدؐ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے۔ اس لئے آپ کی وفات کے بعد مسئلہ ختم ہو جائے گا لیکن وہ (ﷺ) اپنے رشید بیٹوں کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہیں گے تو اس وقت آیت نازل ہوئی: "انا اعطینٰک الکوثر" (سورۂ کوثر) اے محمدؐ ہم نے تجھے بہت زیادہ خوبیاں دی ہیں (ایک لڑکی سے تیری نسل اور اولاد بڑھتی رہے گی) اور یہ تو تمہارے دشمن ہی ہیں جن کی

عمران کی اتنی نرینہ اولاد کے باوجود بھی ختم ہو جائے گی۔" ان شانئك هو الابتر" اور ہم نے دیکھ لیا ہے کہ خدا کا فرمایا ہوا ثابت ہو چکا ہے۔

جس وقت آیہ انا کفیناك المستهزئين۔ (سورہ حجر آیہ ۹۵) کہ ہم تجھے ان تمام مذاق کرنے والوں کے مقابلے میں اکیلا ہی کافی بناتے ہیں۔ (ان کی سازشوں اور ان کے نقشوں کو نقش بر آب کر کے ان کے مذاق کو برباد کر دیں گے) پھر بہت زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ہم نے دیکھا کہ ایک پیغمبر اکیلا ہی اس قدر تہمتوں، بہتانوں اور سازشوں کے درمیان بالکل سلامت رہا اور ان کے دین کی طرف دنیا کھنچی چلی آئی۔

کون شخص یہ یقین کر سکتا تھا کہ روم کی شکست کے بعد روم دوبارہ اس کی تلافی کر لے گا اور فتح حاصل کرے گا۔ لیکن یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ شکست دس سال سے کم عرصے کے اندر ہی فتح میں تبدیل ہو جائے گی۔" غلبت الروم فی ادنی الارض وهم من بعد غلبهم سيغلبون (سورہ روم آیہ ۱) یعنی روم نے شکست کھائی لیکن اس شکست کے بعد ان کو فتح ہو گی۔

یہ آیات اپنے زمانۂ نزول میں ہی پیشین گوئیاں تھیں، یہ سب معجزے ہیں جن کی تفصیل مختلف کتابوں میں آئی ہے۔

ایک اور مسئلہ کہ ایک معمولی انسان اپنے کام کے آغاز میں بہت کم تجربہ ہوتا ہے اور اس کے اعمال اور کلام پختہ نہیں ہوتے لیکن آہستہ آہستہ اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے مگر قرآنی آیات اس طرح کی نہیں ہیں۔ اس طرح نہیں ہوا کہ بعثت کے آغاز میں اور پیغمبر اکرمؐ کی چالیس سالہ عمر میں جو آیات پیغمبر اکرمؐ سے سنی گئی ہیں۔ تریسٹھ سال کی عمر میں آنے والی آیات سے مختلف تھیں اور یا ان کی آواز اور مطالب میں فرق تھا۔ ان میں سلیقہ اور نظریہ تبدیل نہیں ہوا اور یا مطالب میں بھی تجدید نہیں ہوئی اور نہ ہی بیشتر تجربہ حاصل کیا گیا ہے۔ یہ سبھی مطالب قرآن کے معجزے اور اس کے خدائی اور الہامی ہونے کی دلیل ہے۔ قرآن مجید نے اسی مطلب کو سورۂ نساء کی آیت نمبر ۸۲ میں بیان فرمایا ہے: "ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا" اگر قرآن ماسوا اللہ کی

طرف سے نازل ہوا ہوتا تو اس میں تم بہت زیادہ اختلافات مشاہدہ کرتے۔ ہاں عام آدمیوں کا طریقہ اور حوصلہ صلح اور جنگ کے زمانے میں مختلف ہوتا ہے اور ایسے ہی فقر و غنا، عزت و ذلت، آغاز کار اور انجام کار کے موقع پر بھی یکساں نہیں ہوتا. لیکن قرآن مجید کی آواز اور مطالب یکساں ہیں۔ ان میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن ایک انسان کے ذہن کی اختراع نہیں ہے بلکہ خدا کا بیان اور اس کی وحی ہے وہ خدا جس کے ارادوں میں کسی قسم کی تبدیلی اور تجدید نظر اور تجربہ میں اختلاف موجود نہیں ہو سکتا۔

البتہ اس باب میں ہمارا مقصد (شناخت انبیاء) ایک اجمالی مطالعہ ہے لہذا ہم نے قرآن مجید کے علمی معجزات کی تفصیل میں جانے سے گریز کیا ہے۔ مثلاً زمین کی حرکت، زمین کی کشش، زمین کے بیضوی ہونے، ہواؤں کے اثر سے، ستاروں کی حرکت اور ان کا خاص مدار، زندگی اور سبزیوں کا وجود یا دوسرے ستاروں کے بیان سے قطع نظر کر لیا ہے جو نہ صرف ایک ہزار چودہ سو سال بلکہ اس کے صدیوں بعد تک علم وہاں تک رسائی حاصل نہ کر سکا تھا لیکن قرآنی آیات میں واضح طور پر ان پر روشنی پڑتی ہے اور چونکہ اس بارے میں بہت سے مقالات اور بہت زیادہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں ہم صرف اپنے قارئین کی توجہ بعض ان کتابوں کی طرف مبذول کراتے ہیں مثلاً کتاب قرآن و آخرین پیغمبر (قرآن اور آخری پیغمبر) اسی اجمال کی وجہ سے ہم بعض شبہات کے جواب تفصیل میں نہیں گئے ہیں۔ مثلاً "تحریف قرآن کا شبہ" وغیرہ کیونکہ خود قرآن مجید نے اس کا واضح ثبوت چند آیات میں دے دیا ہے، ہم صرف یہاں دو آیات کو نقل کرتے ہیں۔

۱۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون (سورۂ حجر آیہ ۹)
(ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور اس کی حفاظت بھی ہمارے ذمے ہے)
۲۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ و لا من خلفہ (سورۂ حٰم السجدہ آیہ ۴۲)
(قرآن مجید میں باطل کے رسوخ اور نفوذ کا ہر ایک راستہ بند کیا جا چکا ہے۔)

قرآن مجید کے اس بیان کے بعد تحریف قرآن کے بارے میں بے بنیاد افواہیں ہیں) اور ہم ان کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ چونکہ ہمارا دینی نعرہ یہ ہے کہ جو شخص بھی قرآن کا دشمن ہے اس کو بالکل راستے سے ہٹا دینا چاہیئے۔

دوسری طرف جب ہم تحریف کے متعلق بعض روایات کی طرف مراجعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ روایات قرائت قرآن میں اختلاف کے بارے میں ہیں اور یا آیات کی شان نزول سے متعلق ہیں۔

قرآن کو بہتر پہچانیں

بعض لوگوں کے تصور کے بالکل برخلاف جو قرآن کو ایک ایسی کتاب جانتے ہیں جو صرف عبادات اور اخلاقیات سے متعلق ہے۔ ہم اس بارے میں یوں کہتے ہیں کہ اس آسمانی کتاب کا ۱/۱۲ حصہ یعنی صرف تقریباً ۵۰۰ آیات فقہی مسائل سے مربوط ہیں اور اس کا بیشتر حصہ سیاسی، اجتماعی، فوجی، تاریخی اور اعتقادی و ثقافتی مسائل کے بارے میں ہے۔

آپ کونسی کتاب میں مثلاً اجتماعی مسائل مثلاً اتحاد، مشورہ، بدعنوانیوں کا مقابلہ امن و امان اور نظم و نسق، جھوٹے پروپیگنڈوں وغیرہ کے بارے میں اس قدر تاکید ملاحظہ کرتے ہیں!

قرآن مجید ایسی کتاب ہے کہ انسانی تربیت کے بارے میں منصوبہ اور نقشہ بھی پیش کرتی ہے اور ماڈل اور نمونے بھی۔ جیسے پیغمبر ص① ابراہیم اور فرعون کی بیوی کا

① لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ (سورۂ احزاب آیہ ۲۱)۔
تمہارے لئے خدا کا پیغمبر بہترین نمونہ ہے۔

تعارف کراتی ہے ①

البتہ اس کلام الٰہی کی تاثیر صرف ان لوگوں کے لئے ہے جن کی روح بے جا تعصبات، غرور و تکبر، خود غرضی، ضد اور تمام دشمنیوں سے پاک ہو اور ان کی شناخت کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور قرآن کے قول کے مطابق اہلِ تقویٰ اور حقیقی عاشق ہوں کیونکہ قرآن مجید کی آیات بارش کی طرح ہیں کہ جو گلستان میں برستی ہے تو پھولوں کی خوشبو زیادہ کرتی ہے اور اگر گندی جگہوں پر ہوتی ہے تو بدبو پھیلائی ہے قرآن مجید دوسری تمام علمی کتابوں کی طرح نہیں ہے جس کا تعلق صرف ذہن سے ہو بلکہ علمی کتاب ہونے سے زیادہ انسانی ترقی اور کمال کی کتاب ہے۔ اس کی داستانیں اور حکایات محض مشغولیت کیلئے نہیں ہیں بلکہ ان میں عبرت ہے۔ اس قرآن کی تاریخ صرف پہلی قوموں کے حالات پر ہی مبنی نہیں ہیں جس میں قوموں کے ترقی و زوال کا فلسفہ بیان کیا گیا ہو۔

قرآن مجید ایسی کتاب ہے جو آسان بھی ہے اور واضح بھی اور مطالب کو بہترین طریقے سے بیان کرتی ہے۔ قرآن مجید ایک راہنما کتاب ہے جو انسان کو خاک سے اٹھا کر خُدا تک پہنچا دیتی ہے وہ انسان کو مادے سے معنویت تک ترقی دیتی ہے۔ قرآن ایسی کتاب ہے کہ جو محکم دلائل کے ساتھ انسان کو غور و فکر کی قوت عطا کرتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ نمونے بیان کرکے انسان کو صلے اور پاداش کا وعدہ دیتے ہوئے کوشش و ہمت کے لئے اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتی ہے۔

اس کتاب میں خدا اور انسان کے درمیان تعلق پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ (عبادات) اور انسان اور کائنات کے تعلق کا بھی ذکر موجود رہے۔ (تعلیم و تعلم، بخشش اور عفو اور انسان و تعاون وغیرہ)

پھر انسان کا فطرت کے ساتھ تعلق (تسخیر، آبادی، ترقی، نشاۃ ثانیہ، ایثار سے فائدہ اٹھانا لیکن فضول خرچی سے دور رہنا اسی حال میں اپنی کوششوں میں ایک دم

---

① قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم (سورۂ ممتحنہ آیہ ۴) تمہارے لئے ابراہیمؑ ہی بہترین نمونہ ہیں۔

کے لئے بھی نہ رکی اور تمام کائنات وفطرت کو خدا کی نشانی اور آیت جاننا)

اس کتاب میں انسان کا تعلق اپنے مخالفوں اور منافقوں سے بھی بیان ہوا ہے:
(حکمت، موعظہ، جنگ وغیرہ کے ساتھ حق کی طرف دعوت اور مفسدین اور ایسے لوگوں کو اپنی راہ سے دور کرنا جو حق کی دعوت و تبلیغ کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں اور محروم محکوم لوگوں کے لئے پریشانی اور تکلیف کا باعث بنتے ہیں۔ معاشرے کے سرکش افراد کے ساتھ سخت مقابلہ اور اپنا دفاع کرنا اور ایسے ہی منافقوں اور پانچویں کالم کے مقابلے میں مثبت اور منفی رد عمل دکھانا وغیرہ یہ سب کے سب منصوبے اور پروگرام واضح الفاظ میں اس آسمانی کتاب کے اندر موجود ہیں)

قرآن مجید میں اطلاع خود سازی (خودی)، معاشرے کی ترقی، ایک استاد کی صفات تربیت اور تعلیم کے طریقے، تربیت کا فلسفہ اور ایسے ہی دوسرے مسائل بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ کیا سیکھیں اور سکھائیں؟
۲۔ کہاں سے شروع کریں؟
۳۔ کس لئے سیکھیں؟ وغیرہ یہ سب اس کتاب میں درج ہے۔

اس آسمانی اور الہامی کتاب میں آداب معاشرت کے طریقے، مختلف قسم کی خرافات کا مقابلہ کرنا، سیاسی، فوجی اور اقتصادی معاہدے کرنا، خاندان کے حقوق، میاں بیوی کے تعلقات اور ایسے ہی اولاد اور والدین کے روابط پر تفصیلات دی گئی ہیں۔

اس الہامی اور خدائی کتاب میں ان جرم پیشہ افراد کے لئے قطعی احکام آئے ہیں جو عوام کے امن کو خطرے میں ڈال دیتے ہیں، دہشت پھیلاتے ہیں۔ ہتھیاروں اور افواہوں کے ساتھ گرم اور سرد جنگ پیدا کرتے ہیں، عوام کے احترام کو نظر انداز کرتے ہوئے معاشرے کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ دوسرے کے عزت جان و مال پر تجاوز کرتے ہیں وغیرہ۔ یہ آسمانی کتاب بامقصد انسانوں میں ایسا نظریہ اور طرز فکر پیدا کر دیتی ہے کہ اس کائنات میں انسان ہر لحظہ خدا کی زیر نگرانی اپنے آپ کو عالم اور آگاہ خیال کرتا ہے اور اب یہ انسان بنانے اور

نجات دلانے والی کتاب ہماری بے توجہی کی وجہ سے اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ صرف اس سے رسمی اور نمائشی استفادہ ہو رہا ہے۔

بہ آیاتش ترا کاری جز این نیست کہ از یسین او آسان بمیری

(قرآن مجید سے تجھے اس کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے کہ اس کی سورۂ یٰسین سے تیری جان آسانی سے نکل جائے) مکان کی ٹائلوں پر معماری کے ہنر کے طور پر، اجناس کی تبلیغ کے لئے بورڈوں پر، قبروں پر، بچوں کے بازوؤں پر یا مسافروں کے سروں پر لکھنے، دلہن کے جہیز میں رکھنے، تقریروں کے آغاز کے لئے کیسٹوں کو پُر کرنے وغیرہ جیسے اعمال میں اس قرآن سے استفادہ ہوتا ہے !!!، ہم نے اپنی زندگی کو کیسے استحصال پسند لوگوں سے حاصل کیا ہے جن میں تکبر و غرور ہے اور آج ہم اس حد تک تنزل اور بدبختی کا شکار ہو چکے ہیں اگر ہمارے نوجوان ہر روز مدرسوں میں یہ پڑھتے کہ "یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء (سورہ مائدہ آیہ ۵۱) آپ کے سرپرست آپ کے دشمن نہیں ہونے چاہئیں اور اگر ہماری ثقافت ہمارے نوجوان طلباء کو اس آیت کے صحیح معنوں کی طرف راہنمائی کرتی تو آج استعمار ہم میں رخنہ نہیں ڈال سکتا تھا اگر ہر روز صبح کے وقت کی تقریبات میں پڑھا جاتا تھا۔ یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم (سورہ آل عمران آیہ ۱۱۸) اے مسلمانو! اپنے سوا دوسروں کو اپنے ہم راز اور رازدان نہ بناؤ تو کئی سالوں تک مسلمان فوج غیر ملکی مشیروں کی زیرنگرانی ہرگز نہ جاتی۔ اگر ہم "حرم الربوا" (سورۂ بقرہ آیہ ۲۷۵)۔ (سود تمہارے لئے سختی سے حرام کردیا گیا ہے) کے قانون پر عمل کرتے تو آج سودخوری کے تمام مرکز بند چکے ہوتے اور دنیا کے سارے اسلامی ملک اپنی فوجی سیاست کو "فقاتلوا التی تبغی" پر منظم کرتے اور جارحیت پسندوں کو عملی طور پر دندان شکن جواب دیتے اور اسلامی دنیا جو پوری دنیا کی ۱/۴ آبادی پر مشتمل ہے۔ آج وہ اپنی حقیقی عزت و آبرو پیدا کر چکی ہوتی۔ اگر مسلمان قرآن مجید کی آواز کو سن لیتے جو کہہ رہا ہے کہ "قوموں کی بدبختی اور ہلاکت کا راز ظالم اور ستمگر لوگوں کی اطاعت میں ہے۔ واتبعوا امر کل جبار عنید (سورہ ہود آیہ ۵۹) اور اس پر جان و دل سے عمل

کرتے تو یہ نام نہاد "اولوالامر" جو بڑی طاقتوں کے پٹھو ہیں ان کو بہت دور دفع کر دیتے اور قرآن مجید کی آواز پر جو فرماتا ہے : (سورۂ اعراف آیہ ۱۴۲) مفسدین اور مسرفین (سورۂ شعراء آیہ ۱۵۱) اور گناہگاروں (سورۂ انسان آیہ ۲۴) اور جاہلوں (سورۂ جاثیہ آیہ ۱۸) اور کمینے لوگوں (سورۂ قلم آیہ ۱۰) کی پیروی نہ کریں، مثبت جواب دیتے۔ قرآن کے اس جواب کا ہم مسلمانوں نے کوئی جواب نہ دیا اور پھر ہم نے حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت محمدؐ تک تمام مصلح لوگوں کی اطاعت نہ کی۔ لہٰذا اس دنیا میں ذلیل لوگوں کی طرح زندگی گذارتے رہے اور سب ظالموں کو خراج ادا کرتے رہے۔ اس طرح ہم مادیات اور معنویات سے پیچھے رہ گئے ہیں اور قیامت کے بہت ہی سخت دن میں اللہ کی عدالت میں پیغمبر اکرمؐ کی طرف سے مدعا علیہ قرار پائیں گے کیونکہ اس شکایت اور مقدمے کا متن جو قرآن مجید اپنے پیغمبر کی زبان سے فرماتا ہے قیامت کے دن جاری ہوگا وہ یہ ہے کہ: "وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا۔ (سورہ فرقان آیہ ۳۰) رسول خداؐ فرماتے ہیں، "اے خداوند تعالیٰ حقیقتاً میری قوم، مسلمان امت نے اس آسمانی کتاب کو چھوڑ دیا ہے اور دوسروں کے بنائے ہوئے قوانین کی پیروی کر رہی ہے۔" یہاں فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے حضرت علیؑ کے قول کو سنتے ہیں،" اذا التبست علیکم الفتن کقطع اللیل المظلم فعلیکم بالقرآن① جب ہر طرف سے بلائیں اور فتنے تمہارے لئے پیدا ہو جائیں تو اس وقت اپنی آزادی کا نقشہ قرآن مجید سے حاصل کرو۔ پھر ایک دوسری جگہ فرمایا:

اللہ اللہ فی القرآن لا یسبقکم بالعمل بہ غیرکم② خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو قرآن پر عمل کے بارے میں، کیونکہ ممکن ہے اس پر عمل کرنے میں دوسرے لوگ تم سے سبقت لے جائیں اور حقیقت میں ایسا ہی ہوا۔ یہ ہمارا قرآن ہی ہے جو مسلمانوں کو چند بار حکم دیتا ہے کہ دنیا کی سیر کرو، زمین سے فائدہ اٹھاؤ، تاریخ کو دیکھو،

---

① اصول کافی جلد دوم صفحہ ۵۹۹۔ ② نہج البلاغۃ

مختلف قوموں سے رابطہ قائم کرو جن میں مختلف تہذیب وتمدن اور عادات رسوم ہیں اوران سب چیزوں کو دیکھتے ہوئے اپنی اجتماعی مشکلات کا حل تلاش کرو۔

لیکن ہم نے دیکھا کہ مسلمان اسی حکم پر عمل نہ کرنے سے کتنے فوائد سے بے بہرہ ہو گئے اوران کی جگہ دوسرے آگے آئے اور انہوں نے اسلامی ممالک میں سیر و سیاحت شروع کی۔ انہوں نے ہماری کمزوریوں اور قوتوں کا سراغ لگایا اور ہماری زمینوں کے چپے چپے سے ہماری معدنیات جو زمین کے نیچے یا زمین کے اوپر تھیں، ان سے فائدہ اٹھایا اوران کو انہوں نے دریافت کیا اور باہر نکالا اور پھر بھاری قیمت سے ہمارے ہاتھ ہی بیچتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ غرور اور تکبر بھی کرتے رہے۔ ان لوگوں کی یہی سزا ہے جو آسمانی کتاب کو ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں اور معصوم قائدین کی طرف پیٹھ کر لیتے ہیں اور ان کی آوازوں کو سن کر توجہ نہیں کرتے وہ ایک نہ ایک دن خدانخواستہ انتہائی پستی میں گر جائیں گے۔

حضرت موسیٰؑ نے اسی قوم کو غلامی سے نجات دلائی اور ان کو چند دنوں تک حضرت ہارون کے سپرد کر دیا لیکن انہوں نے ناشکری کی اور خدا اور خدا کے پیغمبر حضرت موسیٰ کو چھوڑ دیا پھر ایک بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ جونہی حضرت موسیٰؑ سفر سے واپس آئے اور انہوں نے اپنے پیروکاروں سے اس رجعت پسندی اور انحراف کا مشاہدہ کیا تو بہت غصے میں آئے اور انہوں نے اپنے بھائی کو بھی سخت سست کہا۔ ہارون نے کہا اے میرے بھائی اس قوم نے مجھے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ کل غلام تھے۔ جونہی یہ لوگ آزاد ہو گئے تو وہ مغرور ہو گئے اور مجھے کمزور کر دیا اور حتیٰ کہ قریب ہی تھا کہ مجھے قتل کر دیں۔ انہوں نے انقلابی حالت کو چھوڑ دیا ہے وہ تن آسانی اور پیٹ پوجا میں مشغول ہو گئے ہیں اور ایمان، جہاد، سپاہ گری، اپنے قائد کی اطاعت اور فرمانبرداری سے دور ہو گئے۔

یہ ماجرا قرآن مجید میں نقل ہوا ہے اور ہمیں متوجہ کرتا ہے کہ مردہ سلطنت پہلوی کے آزاد کردہ بردے اگر قوم موسیٰ کی طرح سستی، کاہلی، غفلت اور اپنے عادل قائد کی نافرمانی شروع کر دیں تو اسی حالت سے دوچار ہو جائیں گے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اے صاحب بصیرت لوگو! عبرت حاصل کرو۔

اوپر جو کچھ کہا گیا ہے وہ قرآن مجید کا ایک گوشہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے اور پھر لکھنے والے کی اطلاعات بھی کم ہیں اور مجھے اس کا بھی ڈر ہے کہ پڑھنے والے کے لئے بھی اس قدر وقت نہ ہو کہ پوری تفصیلات کو پڑھ سکے۔ لہٰذا ہم یہیں قرآن مجید کی تعریف کو ختم کرتے ہیں کیونکہ وہ کتاب جو خدا کا کلام ہے اور خود خدا اسے نور(۱)، شفا(۲)، بصیرت (سورۂ انعام آیہ ۱۰۴)، ہدایت (سورۂ بقرہ آیہ ۲)، فرقان (سورۂ فرقان آیہ ۱)، حق (سورۂ فاطر آیہ ۳۱)، تذکرہ (سورۂ طٰہٰ آیہ ۳) کہہ کر پکارتا ہے۔ اس کی تعریف و توصیف چند صفحات میں ممکن ہی نہیں۔ اس لئے ہم خدا، قرآن اور قارئین کرام سے معذرت چاہتے ہوئے اس بحث کو ختم کرتے ہیں اور چند سطریں ان احکام کے بارے میں جو خود قرآن مجید نے اپنی تلاوت کے بارے میں بیان کئے ہیں عرض کرتے ہیں:

قرآن مجید کی تلاوت کے احکام

۱۔ آیہ کریمہ "لا یمسہ الا المطہرون" (سورۂ واقعہ آیہ ۷۹) کے فرمان کے مطابق کوئی شخص قرآن مجید کو چھونے کا حق نہیں رکھتا جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائے۔ لہٰذا اس آسمانی وحی (قرآن) کی تلاوت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان وضو کرے۔

۲۔ تلاوت کو شروع کرنے سے پہلے شیطان کے شر، شیطانی وسوسوں، فیصلوں، پہلے ہی سے فیصلہ کرنے اور شیطانی نتائج اخذ کرنے سے جو اللہ کے فرمانوں کی تاثیر کے مانع ہوتے ہیں اور اس کے اثر انسان کی روح کے اندر جانے سے روکتے ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے۔ فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ (سورۂ نحل آیہ ۹۸)

۳۔ قرآن پڑھتے وقت ہماری ایسی حالت ہو کہ گویا خدا ہمارے ساتھ براہِ راست اسی جگہ باتیں کر رہا ہے اور ان احکام کے مخاطب بھی اپنے آپ کو ہی جانیں نہ کہ ترک

---

(۱) قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین۔ (سورۂ مائدہ آیہ ۱۵)

(۲) وننزل من القرآن ما ھو شفاء۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیہ ۸۲)

یا حفظ کرنے یا اپنی تقریر کے لئے بعض چیزیں اور آیات یاد کرنے کے لئے ۔
۴۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ قرآن مجید کو اچھی آواز اور بہترین روش کے ساتھ پڑھیں۔ (سورۂ مزمل آیہ ۴) یعنی حروف کو اچھی طرح بیان کریں ، جہاں وقفہ ہو وہاں رکیں اور اسے جلدی جلدی نہیں پڑھنا چاہیے ۔
۵۔ پڑھنے کے بعد اس پر غور کریں کیونکہ قرآن ان لوگوں پر سختی سے نکتہ چینی کرتا ہے جو صرف اپنے لبوں کو حرکت میں لاتے ہیں اور آواز نکالتے ہیں لیکن اس میں غور وخوض نہیں کرتے اور اس رازوں سے واقف ہونے کی کوشش نہیں کرتے ۔ افلا یتدبرون القرآن ۔ (سورۂ نساء آیہ ۸۲)
۶۔ قرآن سے استفادہ حاصل کرنے میں ہمارا آئمہ کی احادیث کی طرف بھی رجوع اور مکمل توجہ ہونی چاہیے جو ہر آیت کی مناسبت سے اور آیت کی شان ونزول کے بارے میں موجود ہیں تاکہ خدانخواستہ فکری اور عقیدتی انحرافات سے دوچار نہ ہوجائیں اور اس سے بے جا نتائج خواہ وہ ترقی یافتہ ہوں یا رجعت پسندانہ ، اخذ نہ کئے جائیں۔
ہماری بحث انبیاء کی شناخت کے بارے میں تھی اور ہم نے یہ بھی کہا کہ آسمانی پیغمبروں کو تین طریقوں سے پہچانا جا سکتا ہے :
پہلا طریقہ تو معجزہ تھا جس کے بارے میں ہم نے قرآن مجید کے بارے میں تھوڑی سی بحث کی ہے جو پیغمبر اکرم کا ابدی معجزہ ہے اور پھر ہم اپنی بحث سے بہت دور بھی ہو گئے ۔ میں اب آپ سے معذرت چاہتا ہوں اور انبیاء کو پہچاننے کے طریقوں کی اسی بحث کو دوبارہ شروع کرتا ہوں اور دوسرے دو طریقوں کو مختصر طور پر بیان کرتا ہوں اور پھر اس کتاب کے اس باب کو ختم کروں گا اور اس کے بعد دوسری بحثوں میں داخل ہوں گے

دوسرا طریقہ

ہم نے پہلے بتایا ہے کہ پیغمبروں کی شناخت کے لئے تین طریقے ہیں لہٰذا پیغمبروں کو مطالعات ، حالات ، ان کی گفتار اور ان کے کارناموں اور دوسرے قرائن سے بھی پہچانا

جا سکتا ہے۔

ایک سڑک پر جھگڑا ہو جاتا ہے۔ حکومت کا ایک آدمی طرفین کو تھانے لے جاتا ہے تو دونوں طرف سے اس طرح پوچھ گچھ شروع ہوتی ہے:

۱۔ آپ کا نام کیا ہے؟ آپ کا خاندانی نام کیا ہے؟ (یعنی کس خاندانی نام سے مشہور ہیں)

۲۔ کس جگہ جھگڑا ہوا؟

۳۔ کس وقت جھگڑا ہوا؟

۴۔ جھگڑے کی وجہ کیا تھی؟

۵۔ آپ نے کیا کہا؟

۶۔ اُس نے کیا کہا؟

تفتیشی افسر مطالعے اور حالات سننے کے بعد جھگڑے کی اصل وجہ تلاش کر لیتا ہے۔

ہم بھی اسی طریقے سے اپنے پیغمبر کو پہچان سکتے ہیں کہ:

کون تھا؟ کہاں آیا؟ کون سے لوگ اس پر ایمان لائے؟ کن گروہوں نے ان کی مخالفت کی؟ کن طریقوں سے وہ اپنی باتوں کا ثبوت دیتے تھے؟ حقیقت میں ان کے دلائل کیا تھے؟ پیغمبر نے کیسے افراد کو تربیت کی؟

پیغمبروں اور خاص کر حضرت محمدؐ کی تاریخ واضح طور پر مندرجہ بالا سوالات کا ہمیں جواب دیتی ہے:

کون تھے؟ اُمّی، ان پڑھ تھے اور ساتھ ہی امین (امانتدار) بھی تھے۔

کہاں تھا؟ بت پرستی، شرک، تفرقہ اندازی، جہالت و خرافات کے سمندر میں اس نے بہت مشکل انقلاب شروع کیا۔

کون سے لوگ اس پر ایمان لائے؟ ایک عورت جس کا نام خدیجہ تھا، ایک مرد جس کا نام علی تھا، یہ دو اخلاص، کمال اور محبت کے نمونے تھے۔ حتیٰ کہ اسلام لانے سے پہلے بھی ان میں عظمت اور بزرگی کی نشانیاں موجود تھیں۔ ان کے مخالفین بڑی طاقت

والے افراد جو بہت ہی خود غرض، مغرور تھے استحصال پسند تھے تھے۔ اس پیغمبر نے حقیقت کو نہیں چھوڑا۔ اس نے ہرگز مادیت کا وعدہ نہیں دیا۔ ریاکاری اور دکھاوے سے اپنے دین کو ترقی نہیں دی۔

ان کی گفتار اور باتیں قرآن مجید کے واضح اور روشن احکام پر مبنی تھیں اور ان کے دین و مکتب کے تربیت شدہ افراد سلمان فارسی، ابوذر اور مقداد اور ...... تھے۔

اگر ہمارے پیغمبر کے پاس کوئی معجزہ نہ ہوتا تو پھر بھی ان کی زندگی کے کارنامے، مقاصد و حالات ان کی صداقت کی گواہی دیتے ہیں۔

تیسرا طریقہ

پیغمبر کو پہچاننے کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم اُسے گذشتہ پیغمبروں کے گفتار سے پہچان سکتے ہیں۔ اس خوبصورت مثال کی طرف توجہ فرمائیں۔

" اگر میں آؤں اور یہ دعویٰ کروں کہ آپ کا گھر، میری ملکیت ہے اور میرا نام اور پتہ بھی اس مکان کی سند (رجسٹری) میں لکھا ہوا ہے۔ اس دعوے کا فطری جواب یہ ہوگا کہ آپ مالکیت کی سند (رجسٹری) لے آئیں اور لوگوں کو دکھائیں کہ اس دعویٰ کرنے والے کا نام اور پتہ اس سند میں موجود نہیں ہے اور اس کا دعویٰ بالکل جھوٹا ہے۔ لیکن اس معمولی طریقے کی بجائے آپ نے جنگ شروع کر دی اور اس جھگڑے پر خرچ کیا لیکن ہرگز سند مالکیت دکھانے پر آمادہ نہ ہوئے تو لوگ آپ کے بارے میں کیا خیال کریں گے۔ آیا سند نہ دکھانا اور ہر قسم کی جنگ اور نقصان کو برداشت کرنا میرے دعوے کے ثبوت کی بہترین دلیل نہیں ہے؟"

پیغمبرِ اسلام تشریف لائے اور فرمایا کہ " میں وہی پیغمبر ہوں جس کا نام اور پتہ آپ کی انجیل و تورات میں آچکا ہے"۔

یہودیوں نے جنگ شروع کر دی اور عیسائیوں نے کافی نقصان برداشت کیا۔ حالانکہ اگر یہ مسائل گزشتہ انبیاء کی کتابوں میں نہ ہوتے تو پھر وہ پیغمبر اسلام کے خلاف جنگ کرنے کا حق رکھتے تھے اور نہ صرف ان پر ایمان نہ لاتے بلکہ ان کو رسوا بھی کرتے اور کہتے کہ ان

کا نام اور پتہ تورات اور انجیل میں موجود نہیں ہے اور وہ شخص جھوٹا ہے۔ لہٰذا جنگوں اور نقصانات سے جو اسلام کے دشمنوں نے برداشت کئے ہم سمجھ جاتے ہیں کہ حضرت محمدؐ کا نام اور پتہ ان گذشتہ کتابوں میں موجود تھا۔ اگرچہ آج ان لوگوں نے ان کو بدل دیا ہے۔

پیغمبروں کی مجموعی صفات اور رسولِ اکرمؐ کی سیرت

اس باب میں انبیائے کرام کی صفات اور امتیازات کو خلاصہ کے طور پر نقل کرتے ہیں ان بزرگوں اور انبیاء علیہم السلام کے امتیازات سے آشنا ہونا اور ان کے اخلاق و عادات اور صفات ہمارے عقیدے اور عمل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں وہ چیز جو انسان کی تربیت اور ترقی میں بہت ہی مؤثر ہے وہ اس کے فلسفے اور تاریخ سے واقفیت ہے۔ کیا ہی بہتر ہے کہ ہم تاریخ میں ایسے انسانوں سے آشنا ہوں جن کو تاریخ کے سب سے کامیاب ترین انسانوں میں شمار کیا جائے اور ان کو کامل ترین اور بے عیب ترین انسان بھی کہا جائے۔

تاریخ اور انبیاء کی صفات سے اطلاع نہ صرف ہم میں مثبت اثر پیدا کرتی ہے بلکہ خود پیغمبروں کے بارے میں بھی یہ اثر موجود تھا۔

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ جب کبھی پیغمبر اکرمؐ پر دباؤ پڑتا، ان کے خلاف سازشیں ہوتیں اور ان کو تکلیف پہنچائی جاتی تو ان کے لئے صرف ایک ہی امید کا دریچہ تھا جو خدا تعالیٰ نے گزشتہ پیغمبروں کے واقعات سے ان کے لئے کھولا تھا۔

جونہی پیغمبر اکرمؐ کا مذاق اڑایا جاتا تو فوراً آیت نازل ہوئی "ولقد استھزء برسل من قبلک (سورۂ انبیاء آیہ ۴۱) تم سے پہلے بھی مخالفوں نے پیغمبروں کا مذاق اڑایا اور تم بھی ان بزرگوں کی طرح ان تمام مذاقوں کو اپنی بردباری اور صبر و تحمل سے بے اثر بنا دو۔

پھر پیغمبروں کی طرف سے دی جانے والی آزادی کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے گذشتہ پیغمبروں کے بارے میں یوں فرماتا ہے : "ولنصبرن علی ما اذیتمونا" (سورۂ ابراہیم آیہ ۱۲) ۔ یقیناً ہم تمہاری ان تمام تکلیفوں کے مقابلے میں صبر و استقامت کریں گے ۔

مختصر یہ کہ پیغمبروں کی تاریخ اور ان کے اخلاق اور عادات (سیرت) سب کے لئے مثبت اثر رکھتے ہیں اور اب ہم یہ بحث شروع کرتے ہیں ۔

انبیاء کی انسانی زندگی

چونکہ تبلیغ کا بہترین نمونہ، عملی تبلیغ ہے لہٰذا خدائی پیغمبروں کو چاہیے کہ ان مشکلات کا مقابلہ کریں تاکہ عمل میں لوگوں کے لئے تربیت اور استقامت کا نمونہ بنیں۔ لہذا پیغمبر بھی دوسرے انسانوں کی طرح معمولی زندگی کے مالک تھے اور لوگوں کی مشکلات میں برابر کے شریک تھے۔ دشمن کا مقابلہ کرنے، نا اہل اولاد رکھنے، مخالف بیوی رکھنے، بیماری، غریبی، مذاق اور دوسری تمام مشکلات عام افراد کی طرح ان کو بھی پیش آتی ہیں اور اب ہم اس بارے میں چند آیات درج کرتے ہیں :

وجعلنا لهم ازواجا وذریہ ۔ (سورۂ رعد آیہ ۳۸) ہم عام لوگوں کی طرح پیغمبروں کے لئے بھی عورت اور اولاد (اور ان کے بعد میں آنے والی دوسری مشکلات) پیدا کی ہیں۔

وما ارسلنا قبلك من المرسلين الا انهم لياكلون الطعام ويمشون فى الاسواق ۔ (سورۂ فرقان آیہ ۲۰) تم سے پہلے ہم نے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا کہ وہ لوگوں کی طرح کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں آتے جاتے تھے۔

یہ معمولی اور سادہ زندگی طاغوتی ثقافت میں مخالفوں کے لعن طعن کا باعث ہوتی تھی یہاں تک کہ حضرت نوحؑ کے بارے میں کہتے تھے ۔

" ما هذا الا بشر مثلكم ياكل مما تاكلون ومنه يشرب مما تشربون (سورۂ مومنون آیہ ۳۳)

(پیغمبر بھی) ایک انسان ہے جو تمہاری طرح وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو، وہی کچھ

پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔

پیغمبر اسلام کی تاریخ میں ہم پڑھتے ہیں کہ جب آپ اپنے اصحاب میں بیٹھتے تھے تو دائرے میں بیٹھا کرتے تھے تاکہ اصحاب کے لئے اونچ نیچ کا فرق ختم ہو جائے۔ پھر اُٹھنے ، بیٹھنے اور معاشرت میں ایسے ہوتے کہ اگر ایک ناواقف اور پردیسی مسجد میں داخل ہوتا تو جس قدر بھی دیکھتا ہرگز پہچان نہ سکتا کہ ان کے درمیان پیغمبرؐ کون ہیں۔ قائد کی زندگی کے بارے میں اسلامی حکومت کا تصور یہی ہے۔

پیشے کے لحاظ سے اکثر انبیاء بھیڑ بکریاں اور گائے بھینسیں پالنے والے تھے اور یا دہقان تھے اور پھر ذاتی طور پر ان کو چرایا کرتے تھے۔

سفر کے دوران ، کھانا پکانے کے لئے پیغمبر اکرمؐ جنگل سے ایندھن کے لئے لکڑیاں چننے کا کام اپنے ذمّے لیا کرتے تھے۔

نہ صرف پیغمبر اکرمؐ بلکہ آپ کے مکتب فکر کے طلباء اور آپ کے جانشین بھی اسی طرح عمل کیا کرتے تھے۔ مثلاً حضرت امام سجاد (زین العابدین) ایک اجنبی کاروان کے ساتھ حج پر جا رہے تھے اور کاروان کے امیر سے انہوں نے یہ وعدہ کیا کہ اعزازی طور پر کاروان کے انتظام کو اپنے ہاتھ میں لیں۔

ایک شخص حمام میں داخل ہوا وہاں اس نے حضرت امام رضاؑ کو دیکھا جو ان کو نہیں پہچانتا تھا۔ اس شخص نے کہا کہ میرے بدن کو مل کر نہلائیں۔ امام رضا نے بے چون و چرا قبول کر لیا۔ جب اس شخص کو معلوم ہوا کہ وہ شخص امام رضاؑ ہیں تو اس نے بڑی شرمندگی سے معذرت چاہی لیکن آنحضرت نے فرمایا ، جب تک تمہیں مل کر نہلا نہ لوں گا ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں جنگوں میں جب سب پر مشکل آن پڑتی تھی تو اس وقت ہم پیغمبر کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور سب ان کے پیچھے جمع ہو جایا کرتے تھے۔

حضرت علیؑ کبھی کبھی گھر میں حضرت زہراؑ کی مدد کیا کرتے تھے اور گھر کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔

ہاں! یہ ہے ہمارا مکتب و دین اور ہماری ثقافت اور ہمارے رہبروں کے طریقے اور

سیرتیں، ہم بڑے فخر کے ساتھ ان نمونوں کو پوری دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ اگر دنیا کے لوگ عدالت وحقوق کے مساوی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو یہ جان لیں کہ نہ تو کوئی جدید چیز تحفہ کے طور پر لائے ہیں اور نہ ہی اپنے رہبروں سے کوئی نمونہ ان کے پاس ہے جسے وہ اپنا شعار بنائیں

انبیاء کو انتباہ

باوجود اس کے کہ پیغمبر خدا کے بہت ہی نزدیک اور پیارے ہوتے تھے۔ پھر بھی کبھی کبھی ان کو خدا کی طرف سے سخت انتباہ ملتے رہتے تھے۔ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی توحیدی دائرے سے خارج ہو جائیں یا خدائی فرمان کو نظر انداز کر دیں تو بڑی سخت مشکلات اور بلاؤں میں گرفتار ہو جائیں گے۔ نمونے کے طور پر چند آیات کی طرف توجہ کریں؛

۱۔ لئن اشرکت لیحبطن عملك (سورۂ زمر آیہ ۶۵) "اگر اپنے خدا سے تم نے شرک کیا تو تمہارے تمام اعمال نابود ہو جائیں گے۔

۲۔ اور دوسری جگہ فرماتا ہے ..." وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ..." (سورۂ مائدہ آیہ ۶۷) اگر تو نے ہمارا پیغام لوگوں تک نہ پہنچایا تو گویا تم نے اپنی رسالت کو صحیح طور پر انجام نہیں دیا۔

۳۔ ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین (سورہ حاقہ آیہ ۴۴ - ۴۶) اگر کوئی پیغمبر ان باتوں کو ہم سے منسوب کرے (جو ہم نے نہ کہی ہوں) تو اپنی پوری طاقت سے اس کا محاسبہ کریں گے اور اس کے مقام کو واپس لے لیں گے۔ پھر اس کے دل اور زندگی کی رگوں کو کاٹ دیں گے۔

قرآن مجید کی آیات میں ایسے نمونے کم نہیں ہیں جن میں آسمانی اور خدائی پیغمبروں کو متنبہ کیا گیا ہے اور خدا ہر لحظہ ان پر نگرانی کرتا ہے اور بعض وقت ان کو سخت عذاب دیتا ہے اور اس طرح وہ ہر قسم کی لغزش سے محفوظ رہتے ہیں۔

پیغمبروں کا اخلاق

جونہی خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ تم ملت و قوم کے رہبر اور ہمارے پیغمبر ہو تو خدا سے سب سے پہلی چیزیں جو انہوں نے مانگیں وہ وسعت قلب، عظیم روح، صبر و استقامت اور حوصلہ تھیں۔ انہوں نے خدا سے یہ چیزیں اس طرح مانگیں: "رب اشرح لی صدری (سورہ طٰہٰ آیہ ۲۵) اے اللہ تعالیٰ میرے سینے کو کھول دے۔

واقعی کونسی طاقت تہمتوں، گالیوں، مذاقوں، توہینوں، رکاوٹوں، بے جا توقعات کے مقابلے میں حوصلے، استقامت اور غیبی امداد کے سوا مضبوط رہ سکتی ہے؟ ہاں وہ کشتی جو ان تمام چیزوں کا بوجھ اٹھا سکتی ہے وہ صبر کی کشتی کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی۔

کس پیغمبر کو لوگوں کے لئے نہیں بھیجا گیا جس کا لوگوں نے مذاق نہ اڑایا ہو "ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون"۔ (سورۂ حجر آیہ ۱۱)

کوئی ایسا پیغمبر نہیں آیا جس کو جادوگر اور دیوانہ نہ کہا گیا ہے۔ کذالک ما اتی الذین من قبلھم من رسول الا قالوا ساحر او مجنون۔ (سورہ الذاریات آیہ ۵۳)۔

ہمارے پیغمبر کو شاعر اور کاہن بھی کہا گیا لیکن آپ قرآن مجید کے قول کے مطابق "خلق عظیم" کے مالک تھے۔ جن میں مہربانی، رحم اور خلوص بھرا ہوا تھا۔ لہذا انہوں نے ان سب چیزوں اور باتوں کو برداشت کیا اور اگر ایسا نہ کرتے تو اس بھاری بوجھ کو منزل پر نہ پہنچا سکتے اور لوگ ان سے دور ہو جاتے۔ ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک۔ (سورۂ آل عمران آیہ ۱۵۹)

پیغمبر اکرمؐ لوگوں کے لئے استغفار (بخشش کی دعا) کیا کرتے تھے اور بعض اوقات لوگوں سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ آپ لوگوں پر مہربان تھے۔ ان کی ہدایت کا غم کھاتے رہتے تھے یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے خطاب کرتے ہوئے آپ سے فرمایا:

ما انزلنا علیک القرآن لتشقی (سورۂ طٰہٰ آیہ ۱) ہم نے قرآن مجید کو اس

لئے نازل نہیں کیا کہ آپ اس قدر محنت و مشقت کریں ۔ ایک اور جگہ پیغمبر کو مخاطب ہو کر فرمایا:
فلعلك باخع نفسك (سورۂ کھف آیہ ۶) آیا آپ اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے کہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے ؟

انبیاء نے بہت مشکل انقلاب شروع کیا تھا اور موت و شہادت تک اپنے کام کا بیڑا اٹھائے رکھا۔

ان کو کسی نے مامور کیا تھا۔ ان میں چاپلوسی، مکر اور فریب اور دھوکہ بازی نہیں تھی ان کی تعلیمات اپنی غرض کے لئے نہیں تھی۔

علم جس قدر بھی ترقی کرتا جا رہا ہے، پیغمبروں کے اقوال کی علمی اہمیت اسی قدر کھل کر سامنے آ رہی ہے۔

وہ حقیقت بین تھے ۔ وہ ہر قسم کے ماحول، خاندان، غربت، دولت، خوف اور شکست کے اثر سے محفوظ اور پاک تھے۔

ایک دن وہ غار کے اندر عبادت میں مشغول ہوتے اور دوسرے دن کوہِ صفا کے اوپر لوگوں کو خدا کی طرف آنے کی دعوت دیتے، تیسرے دن ہاتھ میں تلوار لئے میدانِ جنگ میں جاتے، کبھی مسجد قبا کی تعمیر کے لئے پتھر اور مٹی اٹھا کر لاتے اور کبھی مکہ معظمہ کو فتح کرتے تھے ۔ پھر بھی یہ تمام نشیب و فراز نہ تو آپ کے فکر و خیال میں اور نہ ہی انتخاب و گفتار میں کوئی اثر ڈال سکتے تھے۔ آپ ہمیشہ اسی حقیقت اور واقعیت پر تھے جس کو آپ نے اپنے تمام وجود کے ساتھ محسوس کیا ہوا تھا اور جس حقیقت کو دوسروں تک پہنچانے پر آپ مامور ہوئے تھے۔

اخلاص

انبیاء کے امتیازات میں ایک امتیاز اخلاص کا مسئلہ ہے۔ وہ بزرگوار کسی ایک انسان سے بھی کسی قسم کی توقع نہیں رکھتے تھے۔ (سورہ شعراء آیہ ۱۰۹ تا ۱۸۰)۔ حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے بیانات اور پیغامات کا خلاصہ

ہے جو یکصدا ہو کر فرماتے تھے " ان اجری الا علی رب العلمین"۔ ہمارے پیغمبر گرامی بھی مسلسل یہ اعلان کیا کرتے تھے کہ میں تم سے کوئی صلہ یا مزدوری نہیں چاہتا۔ سوائے اس کے کہ خدائی طریقے کو اپنالیں ۔" قل ما اسئلکم علیہ من اجر الا من شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا (سورۂ فرقان آیہ۵) اور اس صلے اور مزدوری کا فائدہ درحقیقت خود لوگوں کو ہی ملتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک معلم یا استاد جو اپنے شاگردوں سے کہتا ہے کہ میرے پڑھانے کی مزدوری یہی ہے کہ تم اپنے سبق کو اچھی طرح یاد کرو یا کل ہر کوئی کلاس روم کو گرم کرنے کے لئے ایندھن لائے۔

ظاہر ہے کہ سبق یاد کرنا اور کلاس کے لئے ایندھن لانا اور کلاس کو گرم رکھنا ایسے فوائد ہیں کہ درحقیقت ان کا نفع اور فائدہ خود شاگردوں کو ہی ملے گا

پر قائم رہیں ۔" قل ما سالتکم من اجر فھو لکم"۔ سورۂ سبا آیہ ۴۷) اور یہ صلہ بھی جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے خود لوگوں کے فائدے میں ہی ہے۔

خدا کے پیغمبر نہ صرف کسی سے مادی توقع نہیں رکھتے تھے بلکہ کسی کو مادی وعدہ بھی نہیں دیتے تھے۔ ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں ایک گروہ پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں آیا اور آپ سے شرط کی کہ اگر آپ پر ایمان لے آئیں تو اپنے بعد حکومت اور امور مملکت ہمیں سونپ دیئے جائیں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ اصل موضوع رسالت اور بندگی کا موضوع ہے اور یہ خدا سے مربوط ہے نہ مجھ سے۔ اور حضرت علیؑ کے قول کے مطابق "یہ دوسرے لوگ ہیں جو دودھ کو پستان سے اندر ہی تقسیم کر دیتے ہیں اور دنیا میں حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز کرنا، اُتارنا، شرط لگانا اور باندھنا لوگوں کا کام ہے۔"

یہ تو صرف پیغمبرؐ ہی ہوتے ہیں کہ شرکوں کی ان تمام پیشکشوں، مادی وعدوں اور غیر قابل تعریف لالچوں کے بارے میں فرماتے ہیں : " خدا کی قسم اگر سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دو اور زمین و آسمان پر مجھے حاکم مقرر کر دو تو بھی ہرگز اپنے راستے سے واپس نہیں لوٹوں گا۔ ① اور یہ قطعی اور پختہ عزم بھی انبیاء کی خصوصیات

① سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۶۵ نقل از "فروغ ابدیت" جلد اول صفحہ ۲۲۲۔

آپ کو اعمال کے حساب وکتاب میں دیکھ رہا ہوں۔

پیغمبر اکرمؐ نے جب اس سے یقین کی علامتیں سُنیں تو جوان کے دعوے کو قبول کر لیا پھر جوان نے پیغمبر اکرمؐ سے درخواست کی کہ اس کے لئے دعا فرمائیں تاکہ خدا کی راہ میں شہید ہو جائے۔ پیغمبر اکرمؐ نے اس شخص کے لئے دعا کی۔ کچھ عرصے کے بعد ایک جنگ ہوئی۔ اس جوان نے اس جنگ میں شرکت کی اور وہی شخص حق و باطل کی جنگ میں شہید ہو گیا اور شہادت کا درجہ پایا۔

آسمانی رہبر کی عصمت کی ضرورت

ہم اس شعر کو عصمت کی ضرورت کے مضمون میں پیش کر سکتے ہیں:

ہر چہ بگندد نمکش میزنند   وای بروزی کہ بگندد نمک

"ہر خراب ہونے والی چیز کو نمک لگاتے ہیں۔ افسوس اس دن پر جب نمک خراب ہو جائے"۔ یعنی جس چیز کے ذریعے کسی چیز کا علاج ہو سکتا ہے اگر وہی خراب ہو جائے تو اس وقت کچھ نہیں ہو سکتا۔

ایک معصوم رہبر کی ضرورت کی دلیل ہماری غلطیاں، لغزشیں اور انحرافات ہیں۔ افسوس تو اس وقت ہوتا ہے جب ہمارا رہبر ہی لغزشوں اور خطاؤں سے دوچار ہو جائے اس صورت میں اس کو بھی ایک اور رہبر کی ضرورت ہوگی۔

دوسری طرف خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں پر دلائل پورے کرنے ہیں تاکہ ان کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور یہ بات معصوم رہبروں کے سوا حاصل نہیں ہو سکتی۔

کس طرح قیادت کی ذمہ داری کو کسی ایسے شخص کے کندھوں پر ڈالا جا سکتا ہے جب کہ وہ خود خطا، گناہ اور غلطی سے مبرّا نہ ہو!

اس کے علاوہ کیا گناہگار انسان کو قیادت کی ذمہ داری سونپنا بھی انسانیت کی توہین نہیں ہے؟

یہ قرآن مجید ہی ہے جو ہمارے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو بیان

کرتا ہے کہ: "اے خدا قیادت اور امامت کا مقام میری اولاد میں محفوظ رکھ"۔ اور انہیں بلا تامل جواب ملتا ہے۔

"لاینال عھدی الظالمین" (سورۂ بقرہ آیہ ۱۲۴) یہ خدائی عہد و پیمان اور قیادت کا مقام ہرگز کسی ظالم اور گنھگار انسان کو نہیں دیا جاتا۔

دوسری طرف بعض آیات میں قرآن مجید نے ہمیں فرمان دیا ہے کہ رسولؐ کی اطاعت کریں اور یہ قانون اور حکم بغیر کسی قید و شرط کے آپ کی عصمت پر گواہ ہے۔

کیونکہ اگر انبیاء ہر قسم کے انحراف، گناہ اور کمزوری سے دوچار ہوتے تو اس صورت میں قرآن مجید کا حکم ان کی اطاعت کے بارے میں مشروط ہوتا۔ چنانچہ والدین کی اطاعت کی اگرچہ بہت اہمیت ہے لیکن وہ مشروط ہے۔ یہاں قرآن مجید بڑی وضاحت سے اولاد کو حکم دیتا ہے کہ (اگر وہ باطل پر ہوں) تو ان کی نافرمانی کریں۔" وان جاھداك علی ان تشرك بی مالیس لك بہ علم فلا تطعمھا (سورہ لقمان آیہ ۱۵) (اگر ماں باپ کوشش کریں کہ تجھے مجبور کریں کہ جس چیز کے بارے میں تجھے علم نہیں ہے اس کو میرا شریک بناؤ تو ہرگز ان کی اطاعت نہ کرو)

قارئین کرام، والدین کی مشروط اطاعت اور رسول خدا کی غیر مشروط اطاعت کا مقابلہ کرکے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پیغمبرؐ اس قدر عصمت کے دائرے میں واقع ہوتے ہیں کہ ان کی اطاعت کے لئے کسی قید و شرط کی ضرورت نہیں ہوتی۔ قرآن مجید کے قول کے مطابق، و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (سورہ نجم آیہ ۳) پیغمبرؐ ہرگز خودغرضی اور ہوی و ہوس پر مبنی بات نہیں کرتے اور اُن کا کلام وحی کے بغیر نہیں ہوتا یعنی جب تک وحی نہیں آتی وہ بات نہیں کرتے)

چند انتباہ

(الف) بعض لوگوں کے تصور کے برخلاف جو بعض آیات کو بہانہ بناتے ہوئے پیغمبروں کی عصمت کو داغدار بنانے کی کوشش کرتے ہیں، جو عقلی دلائل اور آیات د

احادیث ہمارے پاس موجود ہیں، عصمت و پاکیزگی کا مقام جیسا کہ قرآن مجید میں ذکر ہوا ہے، انتباہات اور سزاؤں کے خلاف نہیں ہوتا کیونکہ یہی سزائیں عصمت کا راستہ دکھانے کا موجب ہو سکتی ہیں اور انبیاء کے بارے میں مبالغہ کا راستہ روک سکتی ہیں اور ہم مختصر بیانی کے پیش نظر ان بحثوں میں جانے سے گریز کرتے ہیں۔

(ب) اور چونکہ آسمانی رہبروں میں کوئی ایسا کمزور نقطہ یا ابہام معلوم نہ ہو جس کی وجہ سے دشمنوں کے ہاتھ میں بہانہ آئے اور دوستوں کا اعتماد ان سے اٹھ جائے ضروری ہے کہ خدا کے پیغمبر نہ صرف اپنی تبلیغ میں بلکہ عقاید اور احکام میں بھی، اور نہ کبیرہ گناہوں میں بلکہ صغیرہ گناہوں میں بھی، نہ صرف جان بوجھ کر خطا کرنے میں بلکہ بھول کر خطا کرنے میں بھی معصوم ہوں تاکہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ دشمنوں کے لئے کسی قسم کا بہانہ باقی نہ رہے اور دوستوں کے سلب اعتماد کا بھی باعث نہ ہو۔ جیسا کہ قرآن میں آیا ہے: فللّٰہ الحجۃ البالغۃ (سورۂ انعام آیہ ۱۵۰) (مکمل اور بہترین حجت خداوند تعالیٰ کی ہے)۔

اگر ہمارے پیغمبر معصوم نہ ہوں تو کیا لوگ ان کے اعمال وگفتار میں تناقض سے دوچار نہ ہوتے؟ اور ایسے راہنماؤں کے ہوتے ہوئے آیا خداوند تعالیٰ عوام کے لئے اپنی حجت اور دلیل کے مکمل ہونے کا دعویٰ کر سکتا تھا؟

(ج) عصمت، پیغمبروں کے استغفار اور توبہ کرنے کے منافی بھی نہیں ہے کیونکہ جونہی ایک پیغمبر اپنے آپ کو بارگاہ خداوندی میں تصور کرتا ہے اور دل وجان سے قبول کر لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل وخیال سے پوری طرح واقف ہے اور اس کے ہر عمل پر ناظر ہے اور اس کے تمام باتیں ٹیپ ہو رہی ہیں، اس وقت اس حالت میں ہو جاتا ہے کہ وہ اعمال جو گناہ نہیں ہیں ان سے بھی شرمندہ ہوتا ہے اور خدا سے استغفار کرتا ہے۔

اگر میں اپنے گھر میں چند مرتبہ کھانس لوں تو مجھے شرمندگی نہیں ہوتی لیکن جونہی ٹیلیویژن کیمرے کے سامنے سبق دیتا ہو تو ایک مرتبہ کھانسنے سے بھی شرمندگی

محسوس کرتا ہوں۔ اگرچہ یہ بات گناہ نہیں ہے اور یہ شرمندگی اس لئے ہے کہ اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے محسوس کرتا ہوں۔ اولیاء اللہ جو کہ اپنے آپ کو خدا کے حضور دیکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے بہت ہی چھوٹے عمل سے یوں محسوس کرتے ہیں کہ دوسرے اس کو محسوس نہیں کر سکتے اور یہی پیغمبروں کے استغفار اور مناجات کا فلسفہ ہے۔

انبیاء کی صفات کی ایک اور مختصر فہرست

مجموعی طور پر آیات اور احادیث میں سے آسمانی پیغمبروں کے لئے ایسی صفات حاصل ہوتی ہیں جن کی فہرست مندرجہ ذیل پیش کی جاتی ہے:

(۱) پیغمبر سب سے زیادہ جانتا ہے۔ (۲) ان بیماریوں سے محفوظ ہوتا ہے جس سے لوگ نفرت کریں۔

۳۔ طاقت، لیاقت، صبر و تحمل، اچھے پس منظر، حسن خلق اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس پر عمل میں سب سے اوّل ہوتا ہے۔ بلکہ اپنے زمانے کے تمام افراد سے ان صفات میں اونچا ہوتا ہے۔

۴۔ عقل کے خلاف کوئی حکم نہیں دیتا۔

۵۔ گزشتہ پیغمبروں نے اس کے بارے میں پہلے سے اطلاع دی ہوئی ہو۔

۶۔ مکمل طور پر انسان کی ماہیت اور حقیقت کو جانتا ہے۔

۷۔ ہر قسم کے احساسات اور خواہشات اور ان کی ترقی و ہدایت سے مطلع ہو۔

۸۔ معاشرے کے حالات، اس کی ترقی اور شکست و زوال کے اسباب اس کے لئے مفید تجاویز اور ضروری اقدامات، اچھے اور نزدیک ترین حل اور گہرے غور و فکر کا حامل ہو۔

۹۔ اس کی تعلیمات قدرت کے ساتھ ہم آہنگ اور تمام انبیاء کی آواز کے مطابق ہوں۔

۱۰۔ قبائلی اور قومی شرافت، ماں باپ کی نجابت رکھتا ہو۔ اس کی زندگی میں

کوئی داغ نہ ہو۔ اس کی عبادات میں خلوص ہو، اس میں سب سے زیادہ شجاعت اور دلیری موجود ہو۔ اس قسم کی صفات جو پیغمبروں کے بارے میں بیان ہوئی ہیں قرآن مجید کی آیات اور پیغمبر اکرمؐ کی احادیث میں سے سینکڑوں آیات اور احادیث نکالی جاسکتی ہیں لیکن چونکہ ہمارا مقصد سادہ گوئی اور آسان لکھنا ہے۔ اس لئے ان صفات کو یہاں بیان نہیں کرسکتے اور آپ کو دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

انبیاء کی صفات

<u>خدا کی بندگی</u> : ان لوگوں کے بالکل برعکس جن میں مقام، عہدہ یا ذمہ داری اور اہم کام ایک غرور پیدا کردیتا ہے۔ پیغمبر اسلام اپنے تمام روحانی اور دنیاوی مقامات کے باوجود ہرگز بندگی کے دائرے سے خارج نہیں ہوتے تھے اور اسی طرح مومنوں کی خاطر مدارات کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔ بچوں کو سلام کہتے، گھر میں اور سفر میں کام کرتے، جنگوں میں سب سے زیادہ دشمنوں کے نزدیک پہنچ جاتے تھے۔ جس طرح قرآن مجید بار بار بیان کرتا ہے، آپ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ "میں بھی آپ لوگوں کی طرح ایک انسان ہوں۔" آپ میں کسی قسم کا گھمنڈ اور استبداد نہیں تھا۔ قرآن مجید فرماتا ہے : "(کوئی پیغمبر یا) کوئی انسان جس پر ہم نے وحی اتاری ہے اور کتاب اور پیغمبری کا منصب عطا فرمایا ہے اور اس کو جو حکم دیا گیا ہے اس کی بنا پر اس کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ لوگوں کو کہے کہ تم میرے بندگی کرو۔" ما کان لبشر ان یؤتیه الله الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون الله۔ (سورۂ آل عمران آیہ ۷۹)

ہاں! خدا کے پیغمبر تو اپنی اولاد کے لئے بھی بے جا سفارش کا حق نہیں رکھتے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ حضرت نوح کی سفارش اپنے بیٹے کے لئے رد کردی گئی اور یہ آیت نازل ہوئی تھی :" انه لیس من اهلك (سورۂ ہود آیہ ۴۶)

علم غیب : انبیاء کا دوسرا امتیاز ان کی علم غیب کی صلاحیت ہے۔ قرآن مجید اس بارے میں فرماتا ہے: "عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول .... (سورۂ جن آیہ ۲۶، ۲۷) خدا تعالیٰ غیب کا علم رکھتا ہے اور کسی دوسرے کو اس سے واقف نہیں کرتا لیکن صرف ان لوگوں کو اس علم سے آشنا کرتا ہے جو اس کے پسندیدہ ہوتے ہیں۔

سوال : قرآن کی بعض آیات میں ہم پڑھتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔" وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو (سورۂ انعام آیہ ۵۹) ان نمونوں کے باوجود کہ علم غیب صرف خدا ہی جانتا ہے۔ آپ کس طرح اس علم کو پیغمبروں کے لئے بھی ثابت کر سکتے ہیں۔

جواب : علم غیب صرف خدا کے لئے ہی ہے اور اگر پیغمبر اس علم میں سے کچھ جانتے ہیں تو وہ بھی خدا ہی دیتا ہے نہ یہ کہ خدا کی طرح پہلے سے اسے جانتے ہیں۔ ایک راز دارانہ بات تھی کہ ایک دفعہ پیغمبر اکرمؐ کی ایک زوجہ مطہرہ نے آپ سے سوال کیا کہ یہ بات آپ کو کیسے معلوم ہو گئی؟ تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "نبأنی العلیم الخبیر (سورہ تحریم آیہ ۳) (اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے جو ہر چیز سے واقف ہے)

دوسرا یہ کہ علم غیب دو قسم کا ہے، ایک تو راز کے مطالب ہیں جو خدا سے ہی مخصوص ہیں اور خدا کے بغیر کوئی شخص اس کو نہیں جانتا جیسا کہ ہم دعائیں پڑھتے ہیں۔" وبحق علمک الذی استاثرت بہ نفسک": "اے خدا تجھے اس علم کا واسطہ جو صرف تیرے لئے ہی ہے۔"

لیکن بعض اور مطالب بھی ہیں کہ اگرچہ وہ غیب سے تعلق رکھتے ہیں مگر خدا اپنے اولیاء کو دے دیتا ہے۔

یہی علم غیب، خدا کی بندگی، عصمت، معجزہ، لگن، عشق اور دعائیں ہیں

جن کی وجہ سے انبیاء کا مقام دوسروں سے بلند ہو جاتا ہے۔ ہم نے کم و بیش خدا کے مصلح بندوں کو دیکھا ہے یا سنا ہے جن سب کا مقصد ایک ایسے معاشرے کو بنانا ہے جس کے افراد صالح، نیک اور فرض شناس ہوں۔

اور دوسرے یہ صرف پیغمبر ہی ہوتے ہیں جو ایک طرف تو اعلیٰ صفات رکھتے ہیں اور دوسری طرف ان کو غیبی امداد بھی ملتی رہتی ہے جن کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔

جب ہم نے مختصر طور پر انبیاء کی مجموعی صفات مثلاً علم غیب رکھنا، بلند درجوں کا مالک ہونا، عصمت، بندگی اور یقین رکھنا وغیرہ کے بارے میں بیان کیا ہے تو بہتر ہے کہ تھوڑا سا پیغمبر اکرمؐ کی سیرت کے بارے میں بھی گفتگو کی جاتے تاکہ آنحضرتؐ کی زندگی سے واقفیت اس بزرگوار کی امت کے لئے ایک سبق ہو۔

پیغمبر اکرمؐ کی زندگی پر ایک نظر

تمام پیغمبروں میں سے صرف پیغمبرِ اسلامؐ ہی ہیں جن کی زندگی کی تاریخ اور اس کے جزئیات پوری وضاحت کے ساتھ معلوم اور لکھے ہوئے ہیں اور یہ خود مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا افتخار ہے کیونکہ دوسرے سب پیغمبروں کی زندگیاں ان کے بعد بہت زیادہ تحریفات اور ردوبدل کے ساتھ ان کے دوستوں اور پیروکاروں نے لکھی ہیں جن میں بعض اوقات تہمتیں بھی شامل ہیں۔ پیغمبرؐ کی سیرت کے بارے میں بہت زیادہ کتابیں لکھی جاچکی ہیں، جن میں زیادہ تر عربی زبان میں ہی ہیں اور چونکہ ہم نے اس سے پہلے ابواب میں پیغمبر اکرمؐ کی شناخت اور ان کے کارناموں اور صفات کے بارے میں بحث کی ہے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سیرت، روش زندگی، انفرادی اور اجتماعی اخلاق کے بارے میں کچھ بیان کیا جائے تاکہ سب لوگوں کے لئے مفید ہو۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہماری اس چھوٹی کتاب کو قبول فرمالے اور ہمیں اپنے پیغمبرؐ کی بہترین اُمّت بنائے۔ جس چیز کا یہاں میں ذکر کر رہا ہوں وہ "کتاب بحار" کی چھٹی جلد سے ماخوذ ہے اور ایسے ہی ابن ہشام کی کتاب 'سیرت'،

اورکحل البصر اور تفسیر المیزان کی جلد ششم سے مطالب لئے گئے ہیں اور چونکہ ہم پیغمبر اسلامؐ کی مکمل سیرت نہیں لکھ سکتے اور میرا خیال ہے کہ کوئی اور شخص بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ یہ کہے میں نے آنحضرتؐ کی پوری سیرت لکھی ہے، لہٰذا بہتر یہی ہے جیسا کہ سرخی میں لکھا گیا ہے یعنی "پیغمبر اکرمؐ کی زندگی پر ایک نظر" کی مناسبت سے آپ کی روشن زندگی، اخلاق اور سیرت کے بارے میں تھوڑا سا عرض کرتے ہیں:

آب دریا را اگر نتوان کشید ہم بقدر تشنگی بتوان چشید

(اگر سمندر کے سارے پانی کو سمندر کو نہیں پیا جا سکتا تو پیاس کے اندازے کے مطابق تو اس کو چکھا جا سکتا ہے)

آپؐ کی غمخواری اور ہمدردی: پیغمبرؐ کی بعثت سے پہلے ایک دفعہ ایسا واقعہ پیش آیا کہ لوگوں پر زندگی بہت سخت ہو گئی۔ آہستہ آہستہ قحط شروع ہو گیا اور لوگ سخت وحشت میں تھے جن میں ابو طالب، حضرت علی کے والد بھی تھے جو اس وقت بوڑھے ہو چکے تھے۔ ان کی آمدنی بہت کم تھی اور اولاد زیادہ، وہ بھی مدد کے سخت محتاج تھے۔

پیغمبر اکرمؐ نے اور چچا "عباس" کے ساتھ ابو طالب کے پاس جانے کا پروگرام بنایا تاکہ ابو طالب کی اولاد میں ایک ایک بچہ اپنے گھر لے جائیں اور اس طرح ان کے اخراجات میں ذرا کمی واقع ہو جائے۔ یہ پروگرام عملی ہو گیا، عباس، جعفر کو اپنے گھر لے گیا اور پیغمبرؐ حضرت علی کو اپنے گھر لے گئے اور بچپن سے ہی ان کے مربی بن گئے۔ یہ تھا آپؐ کی ہمدردی کا ایک چھوٹا سا نمونہ۔

آنحضرتؐ کا انفرادی اخلاق: آپؐ ایک سادہ فرش اور چٹائی پر سوتے تھے۔ اپنے جوتوں اور لباس کی خود مرمت کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی گھر میں اور گھر کے باہر آپؐ کی توہین بھی ہوتی تھی۔ پھر بھی تبسم اور ہنس کر بخش دیتے تھے۔ آپؐ خود بازار جاتے تھے اور اپنی ضروریات کی چیزیں خرید کر خود اٹھا کر گھر لاتے تھے۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ میں کئی سال تک پیغمبر اکرمؐ کے گھر پر رہا لیکن آپؐ نے مجھ پر کبھی نکتہ چینی نہیں کی۔

آپؐ خود گھر میں دُودھ دھوتے تھے۔ بچوں کو سلام کرتے تھے۔ غلاموں کی دعوت قبول فرماتے تھے۔ جس کھانے کو پسند نہیں کرتے اس کی مذمت بھی نہیں کرتے تھے۔ آپؐ مسواک کرنے یا عطر لگانے اور جمعہ کے دن نہانے یا گھر سے باہر نکلنے اور سفید کپڑے پہننے پر خاص توجہ دیا کرتے تھے۔ جب کھانا کھاتے تو کسی چیز کی ٹیک یا سہارا نہیں لیتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا کی نعمتوں کے مقابلے میں غرور آجائے۔

بیویوں کی دیکھ بھال : اگرچہ رسول خداؐ کی بیویاں معمّر، یتیم بچوں کی مائیں، بیوہ اور مختلف اخلاق کی مالک تھیں۔ لیکن جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ وعاشروھن بالمعروف (سورۂ نسار آیہ ۱۹) پیغمبر اکرمؐ کا ان سے سلوک بہت ہی اچھا اور فطری تھا اور کبھی کبھی جب ان میں سے بعض کا رویہ خوشگوار نہ ہوتا۔ یہاں تک کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعض اصحاب کو بہت قلق گذرتا اور وہ کہتے کہ یا رسول اللہؐ ان کو چھوڑ دیجئے تو پیغمبر اکرمؐ فرماتے کہ عورتوں کی بدرفتاری اور بُرے سلوک کو ان کے اچھے کردار اور مثبت نقاط کے مقابلے میں رکھ کر حساب کرنا چاہیے۔ تھوڑی سی ناراضگی اور برے سلوک کے باعث اپنی عورت کو نہ چھوڑ دے کیونکہ وہ اچھے کام بھی کرتی ہیں اور ان میں سے بعض میں کمال بھی ہوتے ہیں۔

پیغمبرؐ فرمایا کرتے تھے کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو مال و دولت رکھتا ہو۔ لیکن اپنے بیوی بچوں پر بے جا سختی کرے۔

آپؐ حضرت خدیجہؓ سے وفاداری کی خاطر ان کی وفات کے بعد ان بیویوں کا احترام کرتے تھے جو حضرت خدیجہؓ کی سہیلیاں تھیں یا ان کو چاہتی تھیں۔ (۱)

پیغمبرؐ فرماتے تھے کہ میں اپنے خاندان سے ہر دوسرے شخص سے بہتر سلوک کرتا ہوں۔ (۲) آپؐ ان سے اس قدر عدل و انصاف سے سلوک کیا کرتے تھے کہ اس

---

(۱) مستدرک جلد دوّم صفحہ ۶۴۳ (۲) وسائل جلد ۱۴ صفحہ ۱۲۲

زمانے میں جب آپؐ سخت بیمار ہوگئے تھے تو آپؐ کا بستر ہر رات ایک بیوی کے گھر ہوتا تھا۔

بچوں کا احترام : ایک نوزاد بچے کا نام رکھنے کے لئے پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں لایا گیا۔ اس نوزاد نے حضرت رسولؐ کی گود میں پیشاب کر دیا۔ بچے کی ماں اور دوسرے لوگ دیکھ کر بہت ناراض ہوئے لیکن پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا چھوڑ دو میں اپنا لباس خود ہی دھو دوں گا۔ تمہارا شور مچانا اس کا باعث ہوگا کہ یہ معصوم بچہ ڈر جائے۔ ①

پیغمبر اکرمؐ بچوں کو سلام کرتے تھے : آپؐ بچوں کے ناموں کو احترام سے لیا کرتے تھے۔ خاص کر لڑکیوں کے بارے میں بہت تاکید کیا کرتے تھے۔ آپ کے دین میں عورت کو اہمیت دی جاتی تھی اور یہ اسی کی کتاب ہے کہ جب لڑکی کا پیدا ہونا والدین کی نفرت اور غصے کا باعث ہوتا یہاں تک کہ غصے کے مارے ان کے رنگ سیاہ ہو جاتے تھے۔ " واذا بشر احدھم بالانثی ظل وجھہ مسوداو ھو کظیم (سورۂ نحل آیہ ۵۸) اس ماحول میں بچوں اور خاص کر لڑکیوں کا احترام بہت ہی عظیم چیز تھی۔

ہاں! جس زمانے میں لڑکی رکھنا باپ کے لئے عار اور شرمندگی کا باعث تھا، پیغمبر اکرمؐ فرماتے تھے کہ آپ کی بہترین اولاد آپ کی لڑکیاں ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ کے اصحابؓ میں سے ایک آپ کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ اس کو خبر ملی کہ اس کی بیوی کے ہاں بچی پیدا ہوئی ہے۔ اسے غصہ آیا۔ جب پیغمبرؐ نے یہ دیکھا تو فرمایا: زمین اس کا گھر آسمان اس کا سایہ اور اس کی روزی خدا کے پاس ہے۔ تم کیوں غصے میں آئے ہو؟ وہ ایک ایسا خوشبودار پھول ہے جس کی خوشبو سے تم فائدہ اٹھاؤ گے۔

ایک شخص نے پیغمبر اکرمؐ کے حضور میں کہا کہ میں نے زندگی میں کبھی اپنے بچے کو

---

① کحل البصر

نہیں چوما۔ پیغمبرؐ نے فرمایا یہ تمہارے قسی القلب (ظالم) ہونے کی نشانی ہے ۔

آپؐ بچوں کے درمیان اس قدر انصاف کی تاکید اور سفارش فرمایا کرتے تھے کہ "اگر ایک بچے کو دوسرے بچے کے سامنے تم نے چوما تو ضرور دوسرے بچے کو بھی چومیں "

آپؐ ابن الوقت نہیں تھے : پیغمبر اکرمؐ کے ایک بچے کا نام "ابراہیم" تھا جو بچپن ہی میں فوت ہوگیا تھا۔ اس کی وفات کے فوراً بعد سورج گرہن لگا۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ یہ سورج گرہن ابراہیم کے فوت ہونے کی وجہ سے تھا لیکن پیغمبر اکرمؐ نے فوراً لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ سورج گرہن میرے بچے کی وفات کے لئے نہیں تھا اور اس طرح لوگوں کو جہالت اور خرافات اور بے جا محبت سے محفوظ رکھا۔ اگر یہاں کوئی بھی سیاستدان ہوتا تو لوگوں کے جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھا سکتا تھا اور اس بے جا عقیدت کو اور ہوا دیتا۔

آپؐ ہمیشہ سب سے آگے ہوتے : جنگِ احزاب میں جب کہ مشرکوں، کافروں اور منافقوں کے تمام اسلام دشمن گروہ اپنے لمبے چوڑے منصوبوں کے ساتھ اسلام کے خلاف سازش پر آمادہ ہو چکے تھے تو پیغمبر اکرمؐ نے فیصلہ کیا کہ شہر مدینہ کے اردگرد خندق کھودی جائے۔ یہاں ہم رسول خداؐ کو دیکھتے ہیں کہ آپؐ سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے خندق کھودنا شروع کی تھی اور اگرچہ مسلمانوں میں سے بعض لوگوں نے چھٹی کا بہانہ بنا کر یا اجازت لے کر یا ایک جماعت بغیر چھٹی یا اجازت کے بغیر ہی کام چھوڑ کر چلی گئی تھی لیکن پیغمبر اکرمؐ آخر تک خندق کھودنے میں مصروف رہے۔

پیغمبرؐ کی مہمان نوازی : سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ ، میں پیغمبر اکرمؐ کے گھر میں داخل ہوا۔ آپؐ نے اپنا سرہانہ میرے لئے رکھ دیا اور دلچسپ بات تو یہ تھی کہ یہ عمل ہر مہمان کے لئے انجام دیتے تھے۔

ایک دن آپؐ کے رضاعی بھائی اور (۱) بہنیں الگ الگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن پیغمبر اکرمؐ نے بھائی سے بڑھ کر بہن کا احترام کیا۔ بعض لوگوں نے اس فرق کی وجہ پوچھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ بہن اپنے ماں باپ کا احترام بھائی سے بڑھ کر کرتی ہے، میں بھی اس کی نسبت زیادہ احترام کرتا ہوں۔ (۱)

کبھی کبھی آنحضرتؐ کے مہمان کھانا کھانے کے بعد نہیں جایا کرتے تھے اور اسی طرح گفتگو میں مشغول رہتے تھے۔ لیکن رسول اللہؐ تحمل کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آیت نازل ہوئی کہ جب کبھی آپ کہیں مہمان جائیں تو کھانا کھانے کے بعد چلے جایا کریں کیونکہ آپ کا بے سبب بیٹھنا آنحضرتؐ کے انفرادی اور اجتماعی کاموں سے باز رکھنے کا موجب ہوتا ہے جس سے فطری طور پر پیغمبرؐ کو تکلیف ہوتی ہے: فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث (سورۂ احزاب آیہ ۵۳)

رسول خداؐ کی عبادت

: جب رات کا چوتھائی حصہ گذر جاتا تھا تو آنحضرتؐ اپنے بستر سے اٹھتے تھے پھر سجدے، مسواک اور قرآن مجید کی چند آیات کی تلاوت کے بعد ایک کونے کے اندر عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ آپ کی بعض ازواج مطہرہ آپ کو اس حالت میں دیکھتی تھیں تو کہتی تھیں کہ آپ نے تو کبھی گناہ نہیں کیا پھر اس قدر آنسو بہانے کی وجہ کیا ہے؟ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ کیا میں خدا کا شاکر (شکر کرنے والا) بندہ نہ بنوں؟

جب ماہِ رمضان شروع ہوتا تو آپ اپنے سارے غلاموں کو آزاد کر دیا کرتے تھے۔
نماز کے وقت آپؐ کا سارا وجود کانپنا شروع کر دیتا تھا اور جب آپؐ اکیلے نماز ادا کرتے تھے تو رکوع اور سجدے کو طول دیا کرتے تھے لیکن جب لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے

---

(۱) اگر چند بچے بچپن میں ایک ماں کا دودھ پی لیں تو فقہی کتابوں کی رو سے ان کو دودھ کا بھائی یا دودھ کی بہن کہتے ہیں۔ خواہ ان کے ماں باپ الگ الگ ہوں۔
(۱) بحار، جلد اول ۱۶ ص ۲۸۱

تو اس وقت آپؐ بہت ہی سادہ اور عام طریقے سے ادا کیا کرتے تھے اور آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص جس کو امام جماعت مقرر فرماتے ہمیشہ تاکید کیا کرتے تھے کہ جس وقت لوگوں کے ساتھ نماز پڑھو کوشش کرو کہ سورۂ حمد کے بعد ایک چھوٹی سورت کی قرأت کرو اور نماز کو طول نہ دو۔

پیغمبرؐ کی تدبیر (حسن انتظام): مشکلات کو حل کرنے میں آپ بہت نئے نئے طریقے اخذ کیا کرتے تھے جن میں صداقت ہوا کرتی تھی۔ تاریخ میں پڑھتے ہیں عرب کے مختلف قبیلے اکٹھے ہو کر خانہ کعبہ کی تعمیر کے لئے آئے لیکن جونہی حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کا وقت آیا تو ہر ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے آگے تھا تاکہ یہ افتخار اسے نصیب ہو۔ اس بارے میں بات چیت ہوئی اور پھر یہ بات چیت لڑائی جھگڑے کا رنگ اختیار کر گئی۔ یہاں تک کہ جنگ کے آثار پیدا ہو گئے۔ ایک شخص نے کہا کہ جنگ اور لڑنے بھڑنے کی بجائے ہم صبر کرتے ہیں اور جو شخص سب سے پہلے مسجد الحرام کے دروازے سے اندر آئے گا ہم اس کو ہی اپنا ثالث اور منصف بنا لیں گے۔ انہوں نے اچانک دیکھا کہ حضرت محمدؐ داخل ہوئے اور ان سب نے آپؐ کو اپنا ثالث اور منصف مقرر کر لیا۔ پیغمبر اکرمؐ نے حکم دیا کہ ایک چادر لائی جائے اور اس پر حجر اسود کو رکھا جائے۔ یہی ہوا اور پھر تمام عرب کے قبائل کو چادر کے کونے پکڑائے۔ یہاں تک کہ کعبہ کے نزدیک لائے۔ اس کے بعد آپؐ نے خود حجر اسود کو چادر سے اٹھایا اور خاص جگہ پر نصب کر دیا۔ اس طرح یہ جھگڑا ختم ہو گیا۔

پیغمبر اکرمؐ جنگ میں: حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جنگوں میں پیغمبر اکرمؐ ہم سب سے زیادہ دشمن کے قریب پہنچ جایا کرتے تھے۔ جنگ احزاب میں جب طے پایا کہ مدینہ کے گرد خندق کھودی جائے تو پیغمبر اکرمؐ پہلے شخص تھے جنہوں نے گینتی زمین پر ماری اور اس کے بعد بھی مسلمانوں کے دوش بدوش خندق کھودتے اور کام کی نگرانی

فرماتے رہے لیکن آپؐ نے کبھی چھٹی نہیں کی یہاں تک کہ کام ختم ہوگیا۔ پھر حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جب جنگوں میں ہم کسی مشکل میں پھنس جاتے تو اس وقت رسول پاکؐ کے پاس پناہ لیتے۔ (آپ سے حل تلاش کرتے)۔

پختہ عزم : آپؐ کبھی بھی اپنے پیروکاروں کے زیادہ ہونے کے باعث دینی منصوبوں کے اصول کو نظرانداز کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں پہنچتے اور کہتے کہ ہم آپ پر ایمان لے آتے ہیں بشرطیکہ :

۱۔ ایک بار بتوں کی عبادت کرلیں۔

۲۔ نماز بھی نہ پڑھیں۔

تو پیغمبر اکرمؐ ہرگز ان شرائط کو قبول نہیں کرتے تھے۔ آپؐ کبھی راضی نہ ہوتے تھے کہ دین کا کوئی گوشہ خراب ہوجائے خواہ اس کی وجہ سے اپنے پیروکاروں کو بھی ہاتھ سے دینا پڑے۔ یہ تو دوسرے لوگ ہیں جو اپنے پیروکاروں کی تعداد بڑھانے کے لئے ہر لحظہ اپنا تصور، نام، شکل اور ہیئت بدلتے رہتے ہیں اور تاجروں کی طرح گاہکوں کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔

آپؐ کا زُہد : پیغمبر گرامیؐ نے ایک دفعہ بارہ درہم حضرت علیؑ کو دیئے اور فرمایا میرے لئے لباس تیار کراؤ۔ حضرت علیؑ بازار گئے اور اسی قیمت سے لباس تیار کرادیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا اگر کم قیمت والا سادہ لباس ہوتا تو بہتر تھا۔ اگر بیچنے والا قبول کرلے تو اس سودے کو واپس کردو۔ حضرت علیؑ نے لباس کو واپس کردیا اور پیسے واپس لے لئے۔ پھر پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس دفعہ پیغمبر اکرمؐ خود حضرت علیؑ کے ساتھ بازار گئے۔ راستے میں ایک کنیز کو دیکھا کہ رو رہی ہے۔ آپؐ نے اس سے وجہ دریافت کی تو اس نے کہا :

مالک نے کوئی چیز خریدنے کے لئے چار درہم مجھے دیئے تھے لیکن مجھ سے وہ پیسے گم ہوگئے ہیں اور اب گھر جاتے ہوئے ڈر رہی ہوں۔ پیغمبر اکرمؐ نے اپنے بارہ درہم میں سے چار درہم اسے دے دیئے اور پھر بازار گئے اور چار درہم کی ایک قمیض خرید کر پہن لی۔

واپس آتے ہوئے آپؐ نے ایک ننگے آدمی کو دیکھا۔ آپؐ نے لباس اتارا اور اسے دے دیا اور دوبارہ بازار واپس آئے۔ ایک اور قمیض خریدی اور گھر آتے ہوئے پھر اسی کنیز کو دوبارہ دیکھا کہ بہت زیادہ پریشان ہے اور کہہ رہی ہے کہ چونکہ گھر جانے میں بہت دیر ہوگئی ہے۔ اس لئے مجھے ڈر ہے کہ مجھے مار پڑے گی۔ پیغمبر اکرمؐ اس کنیز کے ساتھ اس کے مالک کے گھر گئے۔ مالک نے آپؐ کی تشریف فرمائی کے احترام میں اس کنیز کو بخش کر آزاد کر دیا۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا یہ بارہ درہم کیا ہی برکت والے تھے کہ انہوں نے دو ننگے آدمیوں کو لباس پہنایا اور ایک کنیز کو بھی آزاد کرا دیا۔

ہاں اگر ہم بھی اپنے اخراجات کو کم کریں تو اس سے ہمارے بہت سے بھائیوں کا کام بن سکتا ہے۔

ایک دفعہ ایک یہودی کو پیغمبر اکرمؐ سے چند درہم لینے تھے۔ ایک دن اس نے مطالبہ کیا لیکن پیغمبرؐ کے پاس نہیں تھے۔ یہودی نے کہا میں آپ کے پاس یہیں رہوں گا جب تک آپ واپس نہ کر دیں اور پیغمبر اکرمؐ کو وہیں کھڑا رکھا۔ یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہوگیا۔ آپؐ نے وہیں ظہر کی نماز ادا کی، عصر بھی گذر گئی، مغرب اور عشا کا وقت آگیا اور اس یہودی نے عملی طور پر پیغمبرؐ کو وہاں ٹھہرائے رکھا۔ لوگوں کو غصہ آگیا لیکن پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ہمیں ظلم کا حق نہیں پہنچتا۔ دوسرے دن وہی یہودی جس نے پیغمبرؐ کو پیسوں کے بدلے ٹھہرایا (قید کیا) ہوا تھا، مسلمان ہوگیا اور اپنے مال سے کچھ حصہ بھی خدا کی راہ میں بخش دیا اور اس نے کہا: "رسول خداؐ کی نسبت میرا یہ کام صرف ایک آزمائش تھا نہ کہ ان کی شان میں گستاخی۔"

پیغمبر اسلامؐ کا اجتماعی سلوک

وفا : حضرت عمار کہتے ہیں کہ بعثت رسولؐ سے پہلے میں اور حضرت محمدؐ اکٹھے بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے آپؐ کو تجویز پیش کی کہ فلاں علاقے کی چراگاہ بکریاں چرانے کے لئے بہت ہی اچھی ہے۔ کل وہاں چلیں۔ حضرت محمدؐ نے قبول کر لیا۔ کل میں جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت محمدؐ مجھ سے پہلے وہاں بیٹھے ہوتے ہیں لیکن اپنی بھیڑوں کو چرنے چھٹنے نہیں دے رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیوں بھیڑوں کو چرنے نہیں دے رہے؟ آپؐ نے فرمایا: میرا اور آپ کا وعدہ یہ تھا کہ اکٹھے شروع کریں گے۔ اس لئے میں نہیں چاہتا تھا کہ میری بھیڑیں آپ سے پہلے اس چراگاہ سے استفادہ کریں۔

تعلیم : تعلیم دیتے وقت یا سوال کا جواب دیتے وقت ایک مطلب کو تین مرتبہ تکرار فرمایا کرتے تھے تاکہ سننے والے کو اچھی طرح یاد ہو جائے۔

اپنے دشمن کو پناہ اور امان دیتے تھے : ۸ھ میں پیغمبر اکرمؐ نے مدینہ میں لشکر اور فوج کو جمع کیا اور مکہ معظمہ کو فتح کر کے بتوں کا صفایا کر دیا۔ بت پرستوں کے ایک سردار "صفوان" نامی جو بنی امیہ کے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا، نے مکہ شہر سے فرار ہو کر جدہ میں پناہ لے لی تھی جو مکہ سے چند میل کے فاصلے پر تھا۔ بعض لوگ رسول خداؐ کے پاس آئے اور اس (صفوان) کی طرف سے "امان نامہ" (جان کی امان کی درخواست) لکھ کر آپؐ کی خدمت میں لائے۔ پیغمبر اکرمؐ نے اپنی دستار مبارک اس کے لئے بھیجی تاکہ اس علامت سے وہ امان میں رہے اور مکہ میں داخل ہو جائے۔ صفوان جدہ سے واپس آگیا اور پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ مجھے دو مہینے کی مہلت دو تاکہ میں غور کر لوں۔ پیغمبر اکرمؐ نے اس کو چار مہینے کی مہلت دی۔ صفوان جو عام طور پر رسول پاکؐ کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ اس دین کی طرف مائل

ہوتا گیا یہاں تک کہ اپنی مرضی سے اس نے اسلام قبول کر لیا۔ سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۶ میں فقہ اسلامی میں امان اور پناہ دینے کے بارے میں جہاد کی بحث کے اندر وضاحت کی گئی ہے۔

دشمن کے ساتھ سلوک: فتح مکہ کے وقت آپؐ نے اپنے سخت ترین دشمنوں کو بخش دیا تھا حتیٰ کہ اس کا فرعورت کو عفو کر دیا تھا جس نے کھانے میں زہر ملا کر آپ کو قتل کرنے کی سازش کی تھی۔

ایک دن رسول خدا کے دشمنوں میں سے ایک آپؐ کے پاس آیا اور السلام علیکم کی بجائے اس نے "السام علیک" کہا جس کے معنی ہیں "تمہیں موت آجائے" اور پھر اس نے بڑی گستاخی سے اس فقرے کو چند مرتبہ دہرایا۔ اگرچہ پیغمبرؐ انتقام لے سکتے تھے مگر آپؐ نے صرف "وعلیک" کہہ کر اس کا جواب دیا۔ حاضرین میں سے بعض لوگ جو بہت سخت غصّے میں تھے، انہوں نے پیغمبر اکرمؐ سے کہا کہ کیوں ان گستاخیوں کا جواب آپ نے نہیں دیا؟ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا، دیا ہے اور اسی لفظ "وعلیک" کے ساتھ یعنی جو کچھ کہہ رہے ہو تم پر واقع ہو۔

اصحاب کے ساتھ سلوک: سفر میں کھانا پکانے کے لئے اصحاب میں سے ہر ایک اپنے لئے ایک کام کا انتخاب کر لیا کرتا تھا۔ پیغمبر اکرمؐ بھی لکڑیاں جمع کرنے کا کام اپنے ذمے لے لیا کرتے تھے۔ اگرچہ آپؐ کے اصحاب اس کام سے بہت منع کیا کرتے تھے مگر پیغمبرؐ کبھی قبول نہیں کرتے تھے۔

جب پیغمبر اکرمؐ اونٹ سے اُتر کر اونٹ کو باندھنے کے لئے ایک طرف جایا کرتے اور آپؐ کے اصحاب آپ سے اونٹ کی نکیل لے کر باندھنا چاہتے تو پیغمبر اکرمؐ اس تکلیف کو دوسروں پر کبھی نہ ڈالتے اور فرماتے کہ ہمیشہ کوشش کیا کرو کہ اپنے کام کا بوجھ دوسروں کے کندھوں پر نہ ڈالیں۔

پیغمبر اکرمؐ کی دوسری صفات : آپؐ غلاموں اور بردوں کی دعوت کو قبول کر لیا کرتے تھے۔ وہ اشخاص جو لوگوں اور قبیلوں کے بزرگ اور قابل احترام لوگ تھے ان کا احترام کیا کرتے تھے اور عام طور پر اس قبیلے کی ذمہ داری بھی اسی قابلِ احترام شخص کو دیا کرتے تھے۔

اچھے اور بُرے کاموں میں غیر جانبدار نہیں رہتے تھے بلکہ اچھے کاموں کے لئے حوصلہ افزائی کرتے تھے اور بُرے کاموں پر اعتراض اور تنقید کرتے تھے۔

آپؐ کا دل لوگوں کی محبت میں اس قدر جلتا تھا کہ آیۂ مبارکہ نازل ہوگئی کہ ہم نے قرآن کو اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ اپنے لئے مصیبت بنالیں اور اپنے آپ کو مشکل میں ڈال دیں۔ "ما انزلنا علیک القرآن لتشقی" (سورۂ طٰہٰ آیہ ۲)

محفل میں ایک ایک شخص کے ساتھ اس قدر گرمجوشی سے ملاقات اور باتیں کیا کرتے تھے کہ ہر ایک کو یہی خیال ہو کہ وہی پیغمبرؐ کے سب سے زیادہ نزدیک ہے۔

کبھی کبھی پیغمبر اکرمؐ کے اصحاب آپؐ سے درخواست کیا کرتے تھے کہ اپنے دشمنوں پر لعنت بھیجیں لیکن آپؐ کبھی اسے قبول نہ فرماتے تھے اور آپؐ کی ہمیشہ یہی دعا ہوتی "اے خدا ان لوگوں کو ہدایت فرما"

جب آپؐ کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ آپؐ کا ہاتھ نہ چھوڑتا آپؐ اپنا ہاتھ کبھی نہ کھینچتے۔

جب آپؐ سوار ہوتے تو کسی کو یہ اجازت نہ دیتے کہ وہ آپؐ کے پیچھے پیدل چلے یا تو اس کو سوار کرتے یا فرماتے کہ تم الگ چلو اور میں فلاں مکان پر تم سے آملوں گا۔

حتی المقدر سوالی کو رد نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ ایک دن ایک عورت اپنے بچے کو پیغمبرؐ کے پاس لائی اور بچے سے کہا کہ پیغمبر اکرمؐ سے کہو کہ اپنی قمیض مجھے عطا

کردیں۔ اس عورت کا بچہ پیغمبر اکرمؐ کے پاس آیا اور قمیض کی درخواست کی۔ پیغمبرؐ نے اپنی قمیض اسے دے دی لیکن آیت نازل ہوگئی۔ "لا تبسطها کل البسط" (سورۂ اسراء آیہ ۲۹) (تجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ خدا کی راہ میں بخش دو)

جب آپؐ ایک محفل میں داخل ہوتے تھے تو پیچھے والی نشست پر بیٹھتے اور جس قدر بھی کوئی چھوٹا تحفہ دیتا اسے رد نہیں کرتے تھے۔

جب آپؐ اپنے کسی اصحاب یا مسلمان کو نہیں دیکھتے تھے تو فوراً اس کا حال اور پتہ پوچھتے اور اگر آپؐ سفر میں ہوتے تو اس کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔ اگر وہ بیمار ہوتا تو اس کی عیادت اور بیمار پرسی کو جاتے تھے۔

جلسوں میں دائرے میں بیٹھا کرتے تھے تاکہ اوپر نیچے کا فرق باقی نہ رہے۔

قانون کے نفاذ میں کسی کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھتے تھے۔ لہٰذا آپؐ کے اصحاب میں سے ایک نے سفارش کی کہ ایک عورت کے بارے میں اسلامی حد جاری نہ ہو کیونکہ وہ ایک مشہور قبیلے سے تعلق رکھتی ہے تو آپؐ نے خدا کی قسم کھائی کہ اگر میری لڑکی بھی چوری کرے تو خدا کی حد جاری کرکے رہوں گا اور قانون جاری کرنے میں لوگوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھوں گا۔

قیدیوں اور غلاموں کے بارے میں بہت زیادہ تاکید اور سفارش کیا کرتے تھے آپؐ نے ذاتی طور پر ایک قیدی عورت کے ساتھ شادی کی اور آپؐ کا یہ عمل قیدیوں کی نسبت لوگوں کی محبت کا باعث ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے مسلمانوں نے اپنے قیدیوں کو آزاد کر دیا تھا۔ آپؐ فرماتے تھے کہ جو خود کھاؤ ان کو بھی دو اور جو خود پہنو ان کو بھی پہناؤ اور ان کو "بہادر" کے نام سے پکارا کرو تاکہ ان میں پریشانی اور نفرت کا احساس پیدا نہ ہو۔

آپؐ امیر و غریب سے یکساں سلوک کیا کرتے تھے۔

بات چیت میں لڑائی جھگڑے اور غیر ضروری باتوں سے پرہیز کیا کرتے تھے۔

آپؐ ہرگز کسی کی عیب جوئی اور برائی نہیں کرتے تھے۔ کبھی قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے۔

آپؐ پہلے لوگوں کا خیال کرتے پھر اپنا: آپؐ ہمیشہ ان قائدین اور راہنماؤں کے برعکس جو خطرے کے موقع پر اپنی جان کو بچانے کی فکر میں ہوتے ہیں یا فرار کر جاتے ہیں اور ہجرت کر جاتے ہیں اور اپنے پیروکاروں اور اردگرد کے لوگوں کو مصیبت میں چھوڑ جاتے ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ مکہ میں رہے اور اپنے پیروکاروں کو حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ مدینہ کی طرف ہجرت کے وقت بھی آپ نے پہلے مسلمانوں کو بھیجا اور پھر آپؐ نے ہجرت کی۔

لوگوں سے مشورہ کیا کرتے تھے: جن کاموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخصوص حکم صادر نہ ہوا ہو اور خود اُمت اور اُمت کے مشورے پر چھوڑ دیا گیا ہوتا، کبھی کبھی پیغمبر اکرمؐ اپنی رائے پر دوسروں کی رائے کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ مثلاً جنگ احد میں پیغمبر اکرمؐ نے مشاورتی کونسل بنائی تھی یعنی مسلمان جنگ کے لئے مدینہ سے باہر نکلیں یا خود مدینہ کے اندر رہ کر مورچوں میں جنگ کریں! اس بارے میں پیغمبرؐ نے مشورہ لیا۔ خود پیغمبر اکرمؐ اور بعض دوسرے اصحاب کی رائے یہ تھی کہ مورچوں کے اندر لڑیں لیکن اکثر جوان لوگ جو آپؐ کے اصحاب تھے مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے پر مائل تھے اور انہوں نے کہا کہ "یا رسول اللہ ہم آپ کے تابع ہیں لیکن چونکہ آپ نے ہم سے رائے مانگی ہے اس لئے ہم باہر نکل کر جنگ کرنے کا خیال رکھتے ہیں۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے دوسروں کے نظریات پر ان پُرشور اور نوجوان لوگوں کی رائے کو ترجیح دی حتیٰ کہ اپنی رائے پر بھی اور فوراً اسلحہ لے کر باہر نکل پڑے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آیہ مبارکہ " وشاورھم فی الامر" (سورۂ آل عمران آیہ ۱۵۹) جنگ احد کی شکست کے بعد نازل ہوئی اور اگرچہ

جنگ احد میں اصحاب کے منصوبہ کی وجہ سے شکست بھی ہوئی لیکن خدا تعالیٰ فرمان دیتا ہے (کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا اعتماد کم ہو جائے) اور وشاورھم فی الامر (پھر بھی ان سے مشورہ کیا کریں) ① لیکن آخری فیصلہ خود رہبر کو کرنا ہے کیونکہ قرآن مجید اسی آیت کے آخر میں فرماتا ہے "فاذا عزمت" جس وقت تو فیصلہ کرے اس وقت خدا پر توکل رکھ۔ ② اور اپنا کام شروع کرے۔

مخالف جماعتوں کے ساتھ پیغمبرؐ کا سلوک

: خدا کے حکم کے مطابق جو کہتا ہے: وان جنحوا للسلم فاجنح لھا۔ (سورۂ انفال آیہ ۶۱) اگر مخالفوں نے صلح کرنے کی طرف رغبت کی تو تو بھی اس کو رد نہ کر اور صلح کر۔"

ہاں پیغمبر اکرمؐ کا سلوک مخالفوں کے ساتھ اسی دستور کے مطابق تھا۔ دوسری آیت میں ہم پڑھتے ہیں کہ جہاں کہیں تمہیں سازش یا بدنیتی کا پتہ چل جائے تو فوراً معاہدے کو منسوخ کر دو، سورۂ انفال کی آیت نمبر ۵۸ میں اس بات کی طرف اشارہ ہوا ہے اور قرآن ہی بتاتا ہے کہ یہودی اور عیسائی لوگوں کو اس مسئلے پر وحدت، اتحاد اور تعاون کی دعوت دو جس پر وہ متفق ہیں۔ "قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم" (سورہ آل عمران ۶۳)۔ "اہل کتاب کو کہو کہ آئیں اور توحید کے دائرے میں شرک اور شیطانی طاقتوں کو دور کرنے میں توافق کرتے ہوئے متحد ہو جائیں۔ ہاں توحید میں اتحاد اور شرک کی نفی دین اسلام میں بہت ہی اہمیت رکھتی ہے۔

مخالفوں کی ان مجالس میں جہاں غیر منطقی اور غیر دینی بحثیں ہوتی ہیں۔ پرہیز کرد شاید وہ اپنی بات چیت کا ڈھنگ تبدیل کریں۔ واذا رائت الذین یخوضون

---

① مقالات سیرۃ نبوی از استاد مطہری۔

② آیہ مبارکہ ۱۵۹ کے ذیل میں سورۂ آل عمران کی تفسیر کا مطالعہ کریں۔

فی آیاتنا فاعرض عنھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ۔" (سورۂ انعام آیہ ۶۸)

ان باتوں کو اس طرح سنتے ہیں کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ پیغمبر ان کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اسی لئے سراپا گوش ہیں۔" ویقولون ھو اذن ۔" (سورۂ توبہ آیہ ۶۱) لیکن آپؐ پر کبھی عملی طور پر کہنے یا ان کی قسموں کا اثر نہیں ہوتا۔

دائمی جنگ اور مقابلے کے لئے ہر قسم کے امکانات اور ہتھیاروں سے استفادہ کرنے اور نوجوانوں کے لئے تیراندازی کی تعلیم دینے اور اس میں شرط کو جائز شمار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس ایک تیر کی وجہ سے جو دشمن کی طرف پھینکا جاتا ہے، اس کا بنانے والا اس کو چلانے والا اور وہ شخص جس نے اس کو خرید کر اسلام کے سپاہیوں کے اختیار میں دیا ہے، تینوں بہشت میں جائیں گے۔

منافقوں کے مقابلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی مسجد کو گرا دیتے ہیں۔ جنگ تبوک کے دوران منافق لوگ گھر میں بیٹھ کر سازش میں مشغول تھے۔ جب پیغمبر اکرمؐ نے دیکھا کہ ان حساس لمحوں میں ایسی سازش بنائی جارہی ہے تو حکم دیا کہ اس گھر کو ان کے سر پر گرا دیا جائے ① اور جو ان میں باقی بچ گئے ان کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ "واغلظ علیھم" منافقوں کی میت کے لئے نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔ " لا تصل علی احد منھم مات ابدا۔" لیکن اگر کفار میں سے کوئی شخص تحقیق اور تفتیش کے لئے فرصت اور مہلت چاہتا تھا تو آپؐ اس کو مہلت دیا کرتے تھے۔

خاندانی احساس آپ کے دینی فیصلوں میں بالکل مؤثر نہ تھے۔ یہ پیغمبر اکرمؐ کا چچا ہی تھا جس کے بارے میں بہت سخت سورہ "تبت" نازل ہوئی تھی۔ ہاں! دین میں

① البتہ مکان کا گرانا خود پیغمبر اکرمؐ کے حکم سے انجام پایا تھا اور شرعی حدود اور اسلامی سزائیں خود اسلامی حاکم کی زیر نگرانی ہونی چاہئیں اور اگر کوئی اپنی طرف سے انجام دے تو وہ مذموم ہے۔

رکاوٹ ڈالنے والوں کے ہاتھ کاٹ دینے چاہییں خواہ وہ پیغمبرؐ کا چچا ہی کیوں نہ ہو۔ اس بارے میں قرآن مجید میں خدا کا واضح حکم موجود ہے اور مومنوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ مشرکوں اور کافروں کے لئے بخشش یا سفارش کریں خواہ وہ ان کے نزدیکی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

ماکان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی (سورۂ توبہ آیہ ۱۱۳)

(کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن کی سازش اور کوشش و ادارے کا تم پر اثر ہو جائے تو ان کی طرف سے پیدا ہونے والی رکاوٹوں اور تکلیفوں سے توجہ ہٹا کر خدا پر توکل رکھ ودع اذاھم وتوکل علی اللّٰہ (سورۂ احزاب آیہ ۴۸) ہرگز غمگین نہ ہو اور ان کے مکر و فریب سے غم نہ کر۔ ولا تحزن علیھم ولا تك فی ضیق مما یمکرون۔ (سورۂ نحل آیہ ۱۲۷) تمہارا فرض خدا کی عبادت اور تسبیح اور ذکر ہے۔ فاصبر علی ما یقولون وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب۔ (سورۂ ق آیہ ۳۹)

رسول خداؐ سے معافی مانگنا

: میں پیغمبر اکرمؐ کی سیرت لکھتے ہوئے شرما رہا ہوں کیونکہ آپؐ کی سیرت لکھنے کے لئے امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام جیسی شخصیت چاہیے۔ جس پیغمبرؐ کی خدا تعالیٰ نے تعریف کی ہے۔ جس پیغمبرؐ کو خدا تعالیٰ نے آسمان پر بلایا ہے اور جن کے قدموں کی جگہ کو ملائک مبارک سمجھتے ہیں۔

وہ پیغمبرؐ جن کو آسمانی سواری ایک رات میں مکّہ اور مسجد الحرام سے بیت المقدس لے کر جاتی ہے۔ "سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی" (سورۂ بنی اسرائیل آیہ ۱) یہ معنوی مقامات آپ کی شخصیت سے وابستہ ہیں اور دوسری طرف آپؐ میں نزاکت، توجہ اور محبت کا احساس بہت زیادہ دیکھ رہے ہیں۔ جن کی نظر حتیٰ کہ بہت

ہی معمولی امور پر بھی بہت گہری ہوتی ہے اور ان امور میں آپ کی محبت اچھی طرح دیکھی جاسکتی ہے۔ "کتاب بحار" کی سولھویں جلد میں ایک حدیث آئی ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک پیاسی بلی کو دیکھا کہ آپؐ کے سامنے رکھے ہوئے پانی کو غور سے دیکھ رہی ہے آپؐ نے وضو چھوڑ دیا اور پانی بلیؐ کو دے دیا۔ آپؐ دشمن کے مقابلے میں پہاڑ سے بھی زیادہ سخت اور دوست کے مقابلے میں پانی سے بھی زیادہ نرم تھے، عفو اور بخشش میں سخت سے سخت دشمن کو بھی معاف کر دیتے تھے۔ لیکن قانون کو جاری کرنے میں اس قدر مصمم تھے کہ قسم اٹھاتے ہیں کہ اگر میری لڑکی بھی خلاف ورزی کرے تو اس کو قانونی اور اسلامی سزا دی جائے گی۔

ہم کس زبان سے پیغمبر اکرمؐ کے بارے میں بات کریں حالانکہ ہم نہج البلاغہ میں پڑھتے ہیں کہ جس زمانے میں کوئی بھی پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا۔ اس وقت پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ "طلب العلم فریضة" اور اب تک چودہ سو سال گزر چکے ہیں کہ اس جملے اور فقرے سے بہتر کوئی فقرہ نہیں بن سکا۔

جس زمانے میں ایک قبیلے کے ایک فرد کے قتل سے قبیلوں میں جنگ چھڑ جاتی تھی اور قاتل قبیلے کے سینکڑوں بے گناہ افراد کو تہ تیغ کر دیا جاتا تھا اور بے رحمی بہت زیادہ پھیل چکی تھی۔ پیغمبر اکرمؐ نے حکم دیا کہ "اگر کوئی شخص اپنے حیوان کو مکہ کے سفر کے دوران تھکا دے تو اس شخص کی گواہی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ جس شخص نے اپنے حیوان کو تھکا دیا ہے وہ قسی القلب ہے اور ایسے شخص کی شہادت ناجائز ہے۔

ہاں! اس قدر محبت کے قوانین آپ کے دل میں موجیں مارتے ہیں جو مردہ ملت کی زندگی کے راز بن گئے۔ "دعاکم لما یحییکم" پیغمبرؐ نے تمہیں ان چیزوں کی طرف دعوت دی جن سے تم زندہ ہو جاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ بلاوجہ نہیں فرماتے کہ جس شخص نے پیغمبر اکرمؐ کی اطاعت کی پیروی کی اس نے میری اطاعت کی۔" من اطاع الرسول فقد اطاع اللہ" (سورۂ نساء آیہ ۸۰) کیونکہ پیغمبر اکرمؐ اپنی خود غرضی اور ہوا و ہوس سے کوئی بات نہیں کرتے

تھے ۔ وما ینطق عن الھوی (سورۂ نجم آیہ ۳) آپ ہمیشہ صراط مستقیم پر ہیں ۔ انک علی صراط مستقیم ۔ (سورۂ زخرف آیہ ۴۳)

کیسے اس شخص کی سیرت اور اخلاق کے متعلق لکھا جا سکتا ہے جن کی خود خدا تصدیق کرتا ہے ۔" وینصرك الله نصرا عزیزا (سورۂ فتح آیہ ۳)

کیسے چند سطور لکھ کر ایک ایسے پیغمبر کا تعارف کرایا جا سکتا ہے جس کے دین اور نام کو اللہ تعالیٰ نے بلند اور عزیز کر رکھا ہے ۔ ورفعنا لك ذکرك (سورۂ انشراح آیہ ۳) ۔

آیا ایک چھوٹے سے رسالہ میں ایک ایسے شخص کا اخلاق لکھا اور منعکس کیا جا سکتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انك لعلی خلق عظیم (سورۂ قلم آیہ ۴) "تمہارا اخلق بہت ہی عظیم ہے۔"

یہی قرآن جو دنیا کے بارے میں "متاع قلیل" فرماتا ہے لیکن پیغمبرؐ کے خلق کو "عظیم" کے نام سے یاد کرتا ہے ۔ کس طرح اس پیغمبرؐ کی تعریف کی جا سکتی ہے جس کو اللہ نے دنیا میں کوثر اور بہت زیادہ 'خیر' عنایت فرمائی ہے: "انا اعطیناك الکوثر" اور آخرت میں بھی آپؐ کو شفاعت کا بلند مقام دیا گیا ہے ۔ (سورۂ ضحیٰ آیہ ۷)

کیا کہوں اس ہستی کے بارے میں جس کی ولادت کے نور نے ایران کے آتشکدوں کو خاموش کر دیا تھا اور آپؐ کی بعثت نے فسق و فساد کو ختم کر دیا ۔

آپؐ کی ولادت نے ایرانی بادشاہوں کے عظیم محلوں کو ہلا کر رکھ دیا اور آپؐ کی بعثت نے افراد کے قلوب اور دلوں کو . . . .

کیا لکھوں اس شخص کے بارے میں جس کو قرآن مجید نے تمام دنیا اور دنیا والوں کے لئے رحمت کہا ہے : "رحمۃ للعالمین"

کیا لکھوں اس شخص کے بارے میں جس کا منصب اور جاہ و مرتبہ اس قدر اونچا ہے کہ وہ معراج پر گیا اور خدا کا مہمان ہوا ۔ تواضع اور انکساری کے مقام پر

کہتا ہے کہ اگر ایک غلام مجھے ایک بہت ہی سادہ کھانے پر بہت دور جگہ پر دعوت کرے تو قبول کر لیتا ہوں۔

آسمانی سفر پر جانے کے لئے آپ کی عظمت میں آسمانی سواری او ربراق حاضر ہو جاتے ہیں اور انکساری و تواضع میں ایک بغیر پالان گدھے پر بھی سوار ہو جاتے ہیں۔ آپ کی عظمت میں جبرائیل اور وحی کے قاصد خدا کی طرف سے آپ کے لئے سلام لاتے ہیں لیکن آپؐ تواضع میں مکّہ کے بچوں کو بھی سلام کرتے ہیں۔

سجدے کے وقت اپنی پیشانی اور دل کو خدا کے سامنے جھکا دیتے ہیں اور اسی حالت میں پیغمبر اکرمؐ کے گھر کے بچے جب آپؐ کو سجدے میں دیکھتے ہیں تو آپؐ کی پیٹھ پر سوار ہو جاتے ہیں تو آپؐ اپنے سجدے کو لمبا کر دیتے ہیں تاکہ بچوں کے کھیل میں خلل نہ پڑے۔

اللہ اکبر! آپؐ ایک ہی وقت خدائے کائنات کے ساتھ بھی راز و نیاز میں مشغول ہیں، بچوں کے کھیل کا بھی پاس رکھتے ہیں اور ان کی نسبت محبت و اُلفت کا احساس بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے .... اس شخصیت کے ان تمام پہلوؤں کو قلمبند نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کو چاہیے کہ بچوں کے اس احترام کو دیکھے اور اپنے ان خالی نعروں پر شرمندہ ہو جو مردوں، عورتوں، مزدوروں اور بچوں کے لئے لگا رہی ہے۔

مجلس میں مذاق بھی کرتے ہیں لیکن کبھی حد سے نہیں گزرتے، اپنے بچے ابراہیم کی وفات پر آنسو بہاتے ہیں لیکن حق کے خلاف زبان نہیں کھولتے۔

صبح کے وقت خدا کی مناجات کرتے ہیں اور دن کے وقت اپنے ہی اصحاب سے مقابلہ کرتے ہیں اور کبھی اصحاب میں مقابلہ کرا دیتے ہیں اور جیتنے والے کے لئے انعام مقرر کرتے ہیں لیکن کیسا مقابلہ؟ اسپ سواری اور تیر اندازی جو کل اپنے دین کی حفاظت اور مکتب کے دفاع میں دشمن کے مقابلے میں کام آئے۔ نہ ورزش کا مقابلہ جو نہ تو معاشرے کے کسی کام آئے، نہ ہی ان کی مشکلات کے لئے کوئی حل ہو۔ پھر آپ کیا انعام دیتے ہیں؟ کھجور کا درخت جس کی لکڑی، جس کے پتے اور جس کا پھل، ایندھن، سایہ اور خوراک

ہے۔ ایک پیداواری انعام نہ کہ خرچ کرنے والا۔ قارئین کرام سے درخواست کرتا ہوں کہ ان سطور کو بہت توجہ سے پڑھیں اگرچہ یہ بہت ہی سادہ ہیں لیکن ہر سطر کا مضمون ایک دلچسپ حدیث ہے۔

تہمت اور بہتان: کیا وہ اسلام، جس کا پیغمبرؐ دو مہینے کی بجائے دشمن کو چار مہینے دیتا ہے اور فتح مکہ کے دوران جو دشمن کی مخالفت کا سب سے بڑا مرکز ہے، اس شہر کو امن کا گھر کہہ کر اپنے تمام مخالفوں کی جان بخشی کر دیتا ہے اور پندرہ سال تک باوجود محاصروں اور قسم قسم کی تکلیفوں کا مقابلہ کرتا ہے، جب دفاع اور آزادی کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کو دعوت دیتا ہے کہ انسانوں کو بڑی طاقتوں کی بندگی اور غلامی سے نجات دلانے کے لئے تلوار اٹھائیں تاکہ رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے ذہنوں اور افکار کو آزاد کرائیں تو کیا اس پر بے جا تہمتیں لگنی چاہییں؟ کبھی تو دشمن کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا حالانکہ بہت ہی دقیق شماریات کے مطابق جو معتبر تاریخوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں تمام جنگوں میں قتل ہونے والے کافروں اور مسلمانوں کی تعداد ۱۴۰۰ افراد سے زائد نہیں ہے۔[1]

کبھی پیغمبر اکرمؐ کی متعدد شادیوں کو بہانہ بناتے ہیں اور آپؐ کو جاہل لوگوں کے سامنے ایک دوسری طرح اور خدانخواستہ شہوت پرست کے طور پر تعارف کراتے ہیں۔ حالانکہ پیغمبر اکرمؐ نے جوانی سے لے کر پچاس سال تک اور تقریباً ۲۵ سال صرف حضرت خدیجہ کے ساتھ زندگی گذاری اور شادی کے وقت پیغمبر اکرمؐ ۲۵ سال اور خدیجہؓ ۴۰ سال کی تھیں اور یہ شادی بھی حضرت خدیجہؓ کی تجویز پر ہوئی تھی۔ خدیجہؓ اپنا رشتہ مانگنے والوں کو جانتی تھی کہ وہ اسکے مال و دولت کی وجہ سے اس کی طرف آرہے ہیں اس لئے ان کو رد کرتی رہی اور خدیجہؓ کا یہ انتخاب ایک طرف تو حضرت رسولؐ کی صداقت

---

(۱) اس بارے میں پیغمبر کی تاریخ جو "موسسہ در راہ حق" کی مطبوعات میں سے ایک فاضلانہ جدول پیش کیا گیا ہے۔

اور امانت کی خاطر تھا اور دوسری طرف ان احادیث اور اخبار کی وجہ سے جو ان کے چچا "ورقہ بن نوفل" نے گزشتہ پیغمبروں کی پیشین گوئیاں جو حضرت محمدؐ کے ظہور اور خدیجہؓ کے شوہر بننے کے بارے میں دی تھیں، بتائی تھیں۔

پیغمبر اکرمؐ تقریباً ۲۵ سال تک صرف حضرت خدیجہؓ کے ساتھ زندگی گزارتے رہے اور ان کے مال و دولت کو بھی لوگوں کو ظلم و ستم اور جہالت سے نجات دلانے اور ان کو توحید کی طرف دعوت دینے کے علاوہ کسی اور جگہ خرچ نہیں کیا۔ اگرچہ اس زمانے میں بہترین اور خوب صورت ترین لڑکیاں آپ سے شادی کرنا چاہتی تھیں لیکن آپؐ نے قبول نہ کیا۔ آپؐ کی دوسری شادیاں حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد اور آپؐ کے پچاس سالہ عمر کے بعد انجام پائیں اور وہ بھی تقریباً بوڑھی اور ایسی عورتیں تھیں جن کے خاوند مر چکے تھے اور ان کے یتیم بچے بھی تھے اور ان کے ساتھ زندگی عیاشی نہیں تھی بلکہ ایک قسم کی عبادت شمار ہوتی تھی۔ پیغمبر اکرمؐ کی بیویاں مختلف سلیقے کی مالک تھیں جن کی وجہ سے رفاہ اور آسائش باقی نہیں رہتی تھی۔

آپؐ کی ازواج میں سے بعض ایسی بھی تھیں جن کے مسلمان شوہر کفار کے خلاف جنگوں میں شہید ہو چکے تھے اور ان کا کوئی دیکھ بھال کرنے والا سرپرست نہیں تھا اور اگر وہ اپنے قبیلے کی طرف واپس جاتیں تو قبیلے کے لوگ ان کو کافر بنا لیتے لہٰذا ان کے ساتھ پیغمبر اکرمؐ کی شادی ان کی سرپرستی اور اس خطرے کو روکنے کی خاطر تھی۔ مثلاً "سودہ" کے ساتھ شادی۔ حبشہ کی طرف ہجرت کرتے وقت اس کا خاوند فوت ہو گیا تھا اور وہ بے سرپرست رہ گئی تھی۔

"ام سلمہ" پیغمبر اکرمؐ کی ایک بیوی تھیں جو بوڑھی بھی تھیں اور ان کے یتیم بچے بھی تھے۔

"زینب" آنحضرتؐ کی پھوپھی زاد آپؐ کی بیوی تھیں۔ وہ پہلے زید کی بیوی تھیں لیکن ان کو طلاق ہو گئی تھی اور پیغمبر اکرمؐ نے خدا کے حکم سے زینب کے ساتھ شادی کی تھی تاکہ ایک اور غلط رسم کو ختم کر دیں اور وہ غلط رسم یہ تھی کہ جاہلیت کے زمانے میں لے پالک

بیٹے کی بیوی سے شادی کرنا ممنوع سمجھتے تھے اور زید چونکہ پیغمبر اکرمؐ کا اپنایا ہوا بیٹا تھا تو جاہلیت کے زمانے کی رسوم کے مطابق پیغمبر اکرمؐ کو اس کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہیے تھی لیکن خدا نے شادی کا حکم دے دیا تھا اور اس غلط رسم اور طریقے کو خود پیغمبرؐ کے ہاتھوں ختم کر دیا۔

آپؐ کی ایک اور بیوی کا نام "جویریہ" تھا جو قیدی ہو کر آئی تھی اور جب پیغمبر اکرمؐ نے ان کے ساتھ شادی کر لی تو پیغمبر اکرمؐ کے احترام میں مسلمان قیدیوں پر بہت مہربان ہو گئے تھے اور بہت سے لوگوں نے اپنے قیدیوں کو آزاد کر دیا تھا۔

عربوں کے بڑے بڑے قبائل کے ساتھ رشتہ کرنا اس بات کا باعث ہوا کہ ان قبائل کی طرف سے اسلام کی داخلی اور خارجی سیاست میں رکاوٹوں کا قلع قمع ہو گیا۔ چنانچہ عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، صفیہ اور میمونہ سے شادیاں کیں۔①

مختصر یہ کہ پیغمبر اکرمؐ کی اکثر ازواج بیوہ تھیں جن کے خاوند جوانی میں مر چکے تھے یا شہید ہو گئے تھے اور ان کی جوانیاں اور عیش کا زمانہ بھی گزر چکا تھا اور ان میں بعض ایسی بھی تھیں جنہوں نے ایک دو بار شادیاں بھی کی ہوئی تھیں، ان کے یتیم بچے بھی تھے اور ان کے ساتھ پیغمبر اکرمؐ کی شادی پچاس سال کی عمر کے بعد انجام پائی جب کہ پیغمبرؐ بہت مشہور ہو چکے تھے۔ اس وقت عرب کی بہترین اور خوبصورت ترین لڑکیاں آپؐ سے شادی کے لئے تیار تھیں اور یہی دلیل کافی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی شادیاں مصلحت اور مقدس مقاصد کی خاطر تھیں اور آپؐ پر ہوس پرستی اور شہوت پرستی کی تہمت نہیں لگ سکتی۔

ان کے علاوہ پیغمبر اکرمؐ کئی بیویاں رکھنے کے باوجود بھی اکثر اوقات رات کو تنہائی میں خدا کے ساتھ راز و نیاز کرتے تھے یہاں تک کہ خدا کا حکم آیا۔ (سورۂ مزمل

---

① صفیہ، بنی اسرائیل کے ایک اہم قبیلے بنی نضیر کے سردار کی لڑکی تھی۔ جب وہ قیدی ہو گئی تو پیغمبرؐ نے ان سے شادی کر لی اور اس شادی کے ساتھ ایک بہت ہی بڑے قبیلے سے ناطہ جوڑ لیا تھا۔

آیہ ۲، ۳) للہٰذا یہ توہم ہیں کہ صرف ایک بیوی کے ہوتے ہوئے بھی خدا سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک سے زیادہ شادیاں (بیویاں) معنویت،جہاد،عبادت،معاشرے کے کام انجام دینے،غریبوں اور محتاجوں کی دستگیری وغیرہ میں رکاوٹ کا باعث نہ ہوں اگر عورتوں کے ساتھ بے انصافی نہ ہو بلکہ ان کی سرپرستی اور فخر و عزت اور نجات کا باعث ہو تو پھر اس میں کوئی عقلی رکاوٹ نہیں ہے، اگر چند عورتوں سے شادی بعض لوگوں کی نظر میں بری معلوم ہوتی ہے تو مندرجہ ذیل دلائل میں ایک وجہ ہو سکتی ہے:

۱۔ مرد،عورتوں کے عادلانہ حقوق ادا نہیں کرتا۔
۲۔ چند شادیوں سے مرد کا مقصد شہوت رانی ہے نہ کہ اسلامی مقدس مقصد
۳۔ مرد کی دوسری صلاحیتیں صرف عورتوں میں خرچ ہو جاتی ہیں۔

لیکن اگر چند شادیاں ہوں اور مندرجہ بالا عناصر میں سے کوئی ایک بھی موجود نہ ہو یا رکاوٹ نہ بنے تو کوئی قانونی،عقلی اور معاشرتی ممانعت نہیں ہو سکتی۔

O

اب تک انسان کے لئے پیغمبروں کی ضرورت اور ان کی صفات اور کارناموں کے بارے میں مطالب بیان کئے گئے ہیں۔ اس باب میں بعض شکوک و شبہات اور مشکلات کا جواب لکھتے ہیں:

سوال: آیا انبیاء نے مدینہ فاضلہ بنایا ہے؟

جواب: ہدایت کے لئے انبیاء اور آسمانی قانون کا آنا ایک ضرورت ہے اور اس کو قبول کرنا انسانوں کا دوسرا فرض ہے اور دونوں کا معاملہ بالکل الگ ہے۔

خدا کا منصوبہ اور پروگرام یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو جبری اور زبردستی ہدایت کی طرف دعوت دے اور اگر ایسا ہوتا تو سبھی لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔

ولو شاء لهدیکم اجمعین (سورۂ نحل آیہ ۹)

اسی طرح پیغمبر اکرمؐ کا طریقہ بھی زبردستی کرنا اور لوگوں کی آزادی کو سلب کر کے ان پر حکومت کرنا نہیں ہے۔

لست علیھم بمصیطر (سورۂ غاشیہ آیہ ۲۲)

خدا تعالیٰ کو چاہیے کہ لوگوں کی ہدایت کا وسیلہ پیدا کرے۔" ان علینا للھدی۔" (سورۂ لیل آیہ ۱۲) اور لوگوں کو بھی چاہیے کہ ہدایت کو قبول کریں۔ اگر لوگوں کے بعض گروہوں نے خدائی ہدایت کو قبول نہ کیا تو دوسروں کے بارے میں خدا کی ہدایت منقطع نہیں ہونی چاہیے۔ بالکل اسی طرح کہ ایک باغبان کھیت میں گھاس پھوس کے باوجود درختوں کی آبیاری اور آبپاشی سے ہاتھ نہیں روکتا جس میں اچھے پھل والے درخت موجود ہیں۔ قرآن مجید میں ہم یوں پڑھتے ہیں:

جب خدا نے ارادہ فرمایا کہ انسان کو بنائے تو فرشتوں نے کہا کہ یہ انسان دنیا میں خرابیاں اور خونریزیاں کرے گا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خدا نے ان کے جواب میں فرمایا: جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے ہو۔ انی اعلم مالا تعلمون۔

ان سب کے علاوہ ہمارے دعوئے کا ثبوت افراد کی تربیت اور ان کے اچھے نمونے پیش کرنے میں ہی کافی ہے۔

اگر ایک معمار یا ایک نقاش اپنے ہنر کے چند نمونے دکھائے تو اس کی لیاقت اور استعداد کے لئے کافی ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ چند سال پہلے میری تقریر کے آخر پر ایک جوان کھڑا ہو گیا اور اس نے پوچھا "اگر اسلام بہت اچھا دین ہے تو آج تک کیوں نافذ نہیں ہوا؟" میں نے فوراً جواب دیا: "اگر محمد علی کلے اچھا مکہ باز ہے تو کیوں اس نے آج تک ہمارے سینہ پر مکہ نہیں مارا ہے؟" اس پر سب حاضرین ہنس پڑے۔

معمار، نقاش اور مکہ باز اور اچھے مقرر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمارے ہر ایک آدمی کے لئے تقریر کرے اور تصویر بنائے یا معماری کرے۔ اگر فلاں معمار یا

نقاش نے تمہارے لئے کام نہیں کیا تو وہ اس لئے ہے کہ تم نے اس کیلئے درخواست ہی نہیں کی، اگر فلاں مقرر کی آواز آج تک ہم نے نہیں سنی تو وہ اس لئے ہے کہ ہم نے اس کو سنا ہی نہیں ہے۔ اگر محمد علی کلے نے آج تک ہمارے سینے پر مکہ نہیں مارا تو وہ اس لئے کہ ہم نے خود اس کو اس کام کی دعوت ہی نہیں دی اور اگر انبیاء نے مدینہ فاضلہ نہیں بنایا اور آج تک دینِ اسلام نافذ نہیں ہو سکا تو وہ اس لئے کہ اس میں قصور ہمارا ہے۔

ایک شاعر کے قول کے مطابق؛ " اگر گدا کاہل اور سست ہو تو مالک مکان کا کیا قصور ہے "؛ انبیاء خدا کی طرف سے ایک صحت مند معاشرے کا نقشہ پیش کرتے ہیں اور دوسرے افراد کو بھی جو تیاری اور آمادگی رکھتے ہیں، تربیت اور تعلیم دیتے ہیں اور ایک چھوٹے سے معاشرے کو نمونے کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد سب لوگوں کو دعوت دیتے ہیں کہ اس تیار شدہ نمونے اور ماڈل کے مطابق اجتماعی نظام کو بنایا اور چلایا جائے۔

ہمارے پیارے پیغمبر اکرمؐ نے ایک ایسی اُمت بنائی جس میں مختلف قبائل اور سیاہ و سفید رنگوں کے لوگ شامل تھے۔ اس معاشرے کی بنیاد شرک اور طاغوت کے مقابلہ پر رکھی اور ایسے ہی خداوند پر ایمان پر۔

آپؐ نے ہر قسم کی موہوم رعایات کو مٹا دیا اور اخلاق، صحت، خدا کی بندگی، اتحاد، خدائی قانون کے سامنے مساوات، اسلامی اخوت، عدالت، آزادی، صداقت، اخلاص اور عزت جیسی چیزوں کو ہمارے لئے تحفے میں لائے۔

حضرت علیؑ، ابوذر، سلمان، مقداد اور میثم جیسے اشخاص کی تربیت کی۔ ایک ایسا قانون لائے جو عقل اور فطرت کے عین مطابق تھا اور شہادت یا جان دینے تک خدائی نظام کے جاری کرنے میں کبھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اب غور سے دیکھیں کہ اگر دنیا آج تک انبیاء کے ادیان کے رنگ میں نہیں رنگی گئی تو اس کی وجوہات کو کسی اور جگہ سے تلاش کریں نہ کہ دین کے ضعف یا مکتب کی ناقابلیت یا رہبر

اور سربراہ کی بے لیاقتی کو سبب قرار دیں۔

یہ تو سورج ہی ہے جو سب کو روشنی پہنچاتا ہے اگر شیشے پر چمکے تو اس کا نور منعکس ہو جاتا ہے لیکن اگر دیوار پر پڑے تو اس کا نور منعکس نہیں ہوتا لہذا سورج اور اس کی روشنائی میں کسی قسم کا شک پیدا نہیں ہو سکتا۔

آپ اگر ایک سمندر میں کروڑوں گیند جن میں کوئی سوراخ نہ ہو پھینکیں تو ان میں ایک قطرہ پانی داخل نہیں ہوگا۔ وہ اس لئے ہے کہ ان میں کوئی سوراخ نہیں ہے ورنہ پانی تو داخل ہونے سے دریغ نہیں کرتا۔

وہ لوگ جن کے آنکھیں، کان اور دل بند ہیں اور قرآن مجید کے قول کے مطابق "لهم قلوب لا يفقهون بها و لهم اعين لا يبصرون بها ولهم اذان لا يسمعون بها اولئك كالانعام بل هم اضل" (سورۃ اعراف آیہ ۱۷۹) ان کے پاس روح، عقل اور دل تو ہے لیکن یہ نہیں سمجھتے، ان کی آنکھیں ہیں لیکن نہیں دیکھتے، ان کے کان ہیں لیکن نہیں سنتے۔ ہاں ایسے لوگ حیوانوں کی طرح ہوتے ہیں۔

جو شخص حق کو پہچاننے، سننے، دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس سے استفادہ نہیں کرتا وہ حیوان سے بدتر ہے۔ جو ایسی صلاحیت نہیں رکھتا۔

وہ انسان جس کا مقصد زندگی صرف کھانا پینا اور جنسی شہوت وغیرہ ہے اور وہ ادیان جو انسان کے لئے روٹی کپڑے اور مکان کے نعرے ہی لگاتے ہیں اور انسان کی تمام صلاحیتوں کو انہی کاموں میں اکٹھا کر دیتے ہیں تو ان ادیان اور مکاتیب نے خدا کے جانشین اور خلیفہ اور انسانیت کی سب سے بڑی توہین کی ہے۔

مختصر یہ کہ یہ عوام اور لوگ ہی ہیں جو آئیڈیل اور پسندیدہ معاشرہ قائم کرتے ہیں۔ انبیاء اور پیغمبر ایسے معلم ہیں جو دنیا والوں کو سبق دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ یہ تو شاگرد کا فرض ہے کہ سبق کو یاد کرے، پیغمبر ڈاکٹروں کی طرح ہیں جو دوا دیتے ہیں اور یہ بیمار کا فرض ہے کہ ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق عمل کرے اور اپنے علاج کی طرف توجہ

د ـ اگر پیغمبر مطلوبہ پسندیدہ معاشرہ نہ بنا سکے تو یہ لوگوں کا قصور ہے۔ اس جواب کے ضمن میں چند آیات لاکر تشریح کرتا ہوں :

۱۔ ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین ۔ (سورۂ قصص آیہ ۵۰)

(بے شک اللہ تعالیٰ ظالم اور ستمگار افراد کو ہدایت نہیں کرتا)

۲۔ ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین (سورۂ مائدہ آیہ ۶۷)

(بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا)

۳۔ ان اللہ لا یھدی القوم الفاسقین (سورۂ منافقون آیہ ۶)

(بے شک اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا)

۴۔ ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب (سورۂ غافر آیہ ۲۸)

(بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچ اور جھوٹے لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا)

ان آیات سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے، انبیاء کی ہدایت سے دور رہنے اور ایک مطلوبہ معاشرہ قائم نہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ خود لوگ ہی ہیں جو ظلم، کفر، فسق، فضول خرچی، جھوٹ وغیرہ کے ذریعے ہدایت کی صلاحیت سے دور ہو چکے ہیں۔ قرآن مجید کے پہلے صفحے پر ایک بورڈ لگا ہوا ہے جس میں لکھا ہوا ہے :

"ذلک الکتاب لا ریب فیہ ھدی للمتقین"

یعنی اگرچہ یہ قرآن تمام جہان اور دنیا والوں کے لئے نازل ہوا ہے لیکن صرف پرہیزگار اور متقی لوگوں نے ہی اس کتاب کے مقابلے میں ضد، تکبر، دشمنی اور خواہشات نفسانی وغیرہ کو چھوڑا ہے اور وہی صرف حق کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں جو لوگ اپنے جسم کے لئے ضد بازی، تعصب، کدورت، ناجائز خواہشات اور دوسری رکاوٹیں جو حق کی پہچان میں آڑے آتی ہیں، دور نہ کریں تو وہ ہرگز انبیاء اور پیغمبروں کی ہدایت سے بہرہ مند نہیں ہو سکیں گے۔

دوسرا سوال : آیا وحی ایک قسم کا نبوغ ہے ؟

جواب : بعض لوگ جو انسان کا عالم بالا سے رابطہ نہیں ماننا چاہتے اور وحی اور ایسے

ہی دوسرے مسائل میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں تاکہ ان کے بارے میں ایک معمولی توضیح یا تفسیر نکالیں مثلاً کہتے ہیں کہ ظلم سہنا، خاموشی، بیکاری، ہنگامہ آرائی اور عشق و محبت وغیرہ ایسے مسائل ہیں کہ انسان کو کوشش، نجات اور پھر فطری طور پر انسانی نبوغ کو وسعت دیتے ہیں۔

انبیاء میں ایسے نبوغ کے عناصر موجود ہیں لہٰذا پھر کیا وجہ ہے کہ ہم انبیاء کو بھی انہی نوابغ میں سے سمجھیں۔

یہاں ہم انقلاب کے قائد امام خمینی کی بات دہراتے ہیں جنہوں نے "احمد کسروی" (ایک ایرانی قوم پرست منحرف) کے بارے میں فرمایا:

"وہ اپنے مرتبے کو اونچا نہیں کر سکتا تھا لہٰذا انبیاء کے مقام اور مرتبے کو نیچے لاتا تھا تاکہ ان تک پہنچ سکے۔"

آپ نے اگر تیسرے باب کا مطالعہ کیا ہو جس میں ہم نے انبیاء کی صفات کے بارے میں مطالب بیان کئے ہیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ نوابغ اور انبیاء کے درمیان بیسیوں فرق موجود ہیں۔

اخلاص، عصمت، شک، سہو، خطا اور ہر قسم کے گناہ، غیب سے واقفیت (علم)، راز و نیاز، دعا اور عبادت اور دل سے عبادت، ہر کام کے لئے خدا کا حکم وغیرہ ایسے مسائل ہیں جو کسی نابغہ میں موجود نہیں ہیں کیونکہ یہ سبھی نوابغ غلطیاں کرتے ہیں اور گناہ سے پاک بھی نہیں ہوتے۔ وہ غیب کے علم سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ خدا کی سچے دل سے عبادت سے دور ہوتے ہیں۔ اپنے کاموں کو خدا سے بھی منسوب نہیں کرتے۔ کیا دنیا میں دوسرے نوابغ موجود نہیں ہیں تو پھر وہ قرآن جیسی کوئی کتاب کیوں نہیں لا سکے ..... اور ..... نوابغ اور انبیاء کے بارے میں مقابلہ ایسا ہی ہے۔ جیسے محدود اور لامحدود چیزوں کا مقابلہ کیونکہ نوابغ کو جس چیز کا بھی علم ہے وہ محدودیت کے دائرے سے باہر نہیں ہے لیکن انبیاء خدا کے لامتناہی علم اور طاقت کے ساتھ رکھتے ہیں اور جو عمل بھی انجام دیتے ہیں وہ خدا کے ساتھ تعلق میں ہوتا ہے۔ لہٰذا انبیاء کے کام ایک دو

نمونوں پر منحصر نہیں ہوتے ۔

تیسرا سوال : سارے پیغمبر اور انبیاء مشرق زمین میں ہی کیوں ہوئے ہیں ؟

جواب : ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ سارے کے سارے انبیاء مشرق زمین میں ہی آئے ہیں بلکہ آیۂ شریفہ ولکل امۃ رسول (سورۂ یونس آیہ ۴۷) سے استفادہ کر سکتے ہیں کہ ہر اُمّت اور قوم کے لئے ایک پیغمبر آیا ہے اور مغرب زمین کی گذشتہ تاریخ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ ان کے علاوہ جس طرح انسان دیے (چراغ) کو کمرے کے درمیان رکھتا ہے تو کیا عجب ہے کہ بڑے بڑے پیغمبروں کو خدا اس سرزمین میں بھیجے جو نہ تو مشرق زمین میں ہوں اور نہ ہی مغرب زمین میں ۔

چوتھا سوال : انبیاء کی تعداد کتنی تھی اور ان سب پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے ؟

جواب : قرآن مجید میں ۲۵ انبیاء کے نام آئے ہیں اور سورۂ مومن میں ہم یوں پڑھتے ہیں :

ولقد ارسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك (سورۂ مومن آیہ ۷۸) (ہم نے تجھ سے پہلے بھی پیغمبروں کو بھیجا اور ان میں بعض کی داستانیں لکھی ہیں اور ان میں بہت سے دوسروں کی داستان تیرے لئے بیان نہیں کی)

اس آیت سے مختصر طور پر معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبروں کی تعداد صرف ان ہی ۲۵ افراد پر مشتمل نہیں ہے جن کے نام قرآن مجید میں آئے ہیں اور اگر احادیث کی طرف رجوع کریں تو بہت زیادہ تعداد ہمارے سامنے آئے گی لیکن سب سے مشہور حدیث وہی ہے جو ابوذر غفاریؓ سے روایت ہوئی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں پیغمبر اکرمؐ سے سوال کیا کہ انبیاء کی تعداد کتنی ہے ؟ آپؐ نے فرمایا " ایک لاکھ چوبیس ہزار "① لیکن ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے ؟ اس کا جواب مثبت ہے ۔ کیونکہ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۳۶ کے مطابق اور سورۂ آل عمران کی آیت ۸۴ اور ایسے ہی سورۂ نساء کی آیت ۱۵۰ کے مطابق تمام

① مجمع البیان جلد دہم صفحہ ۴۷ بنقل از تفسیر نمونہ جلد ۴ صفحہ ۲۱۵ اور "بحار" جلد ۱۱ صفحہ ۳۰ ۔

انبیاء پر ایمان لانے کی تاکید کی گئی ہے اور شاید اس کی دلیل یہ ہے کہ بعثت کا مسئلہ ایک اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ ایک حقیقی واقعہ اور خدائی امر ہے۔ گذشتہ پیغمبروں پر ایمان رکھنا ایک تربیتی اور ایمانی مسئلہ ہے جس کا مقصد ہے کہ پوری تاریخ میں بندوں پر خدا کا ہمیشگی لطف رہا ہے اور یہی چیز خدا کے ثابت اور مستقل حکمت پر ایمان کو واضح کرتی ہے یعنی ایک دائمی ضرورت پر ایمان اور اسی کا مقصد ایک معصوم قائد کی ضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔ یعنی تاریخی خوش بینی پر ایمان، حق کی فتح پر اطمینان اور یہی ایک تاریخی تجربہ ہے۔ ہاں یہ عقیدہ کہ پوری انسانی تاریخ میں مردانِ حق ایک طرف اور دشمن اور شیطانی محاذ دوسری طرف، آمنے سامنے محاذ آرائی میں مشغول رہے ہیں اور ان تمام مراحل میں آخر کار فتح حق کی ہوتی ہے اور باطل کو ہمیشہ کے لئے رسوائی اور پشیمانی نصیب ہوتی ہے سنت خدا پر یہی علم اور ایمان تاریخ میں انسانوں کی استقامت اور رشد و ترقی کا راز ہوتا ہے۔

پانچواں سوال: ہم پر وحی کیوں نازل نہیں ہوتی؟

جواب: ہاں ہر ریڈیو تمام لہروں (NAWES) اور آوازوں کو نہیں پکڑ سکتا اور ایسے ہی ہر انسان پر وحی نہیں آسکتی۔ صفائے قلب، پاکی، اخلاص اور پرہیزگاری اور ایسے ہی دوسری بیسیوں شرائط لازمی ہیں تاکہ انسان کا دل الہام یا وحی کو حاصل اور محفوظ کرنے کے لئے تیار ہو۔

وحی تو اپنی جگہ پر حتیٰ کہ مطالب کی صحیح شناخت کے لئے ایک صحت مند اور پاک دل ہونا چاہیے اور وہ دل مومن اور متقی و پرہیزگار لوگوں کے سینے میں ہونا چاہیے۔ ہم قرآن مجید میں پڑھتے ہیں کہ فرماتا ہے: "یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ و امنوا برسولہ یوتکم کفلین من رحمتہ ویجعل لکم نورا تمشون بہ (سورۂ حدید آیہ ۲۸) (اے مومنو! پرہیزگار اور متقی خدا و پیغمبر پر ایمان لاؤ تاکہ تمہیں اپنی رحمت میں سے دو حصے دے اور تمہارے لئے روشنائی اور نور بھیجے تاکہ اس کے سائے میں حق کے راستے کو پہچان کر صرف اسی خط پر حرکت کرو)۔

ملاحظہ فرمائیں حتیٰ کہ روشن بینی اور نور بھی ہر کسی کو نہیں دیا جاتا تو خدا سے براہ راست رابطے اور تعلق کی تو بات ہی دوسری ہے۔ سورۂ انفال میں یوں پڑھتے ہیں:

ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا (سورۂ انفال آیہ ۲۹) اگر پرہیزگار بن جاؤ اور خدا کے احکام کی مخالفت سے ہاتھ اٹھالو تو خدا تمہارے دل میں ایک خاص نور پیدا کر دے گا اور اس وجہ سے تم حق کو باطل سے تمیز کر سکو گے اور اپنی زندگی کی نہج کو اچھی طرح پہچان لوگے حق کو باطل سے، اچھائی کو برائی سے، دوست کو دشمنی سے، سعادت کے عناصر سے پہچان لوگے جس کی انسان کو بڑی سخت ضرورت ہے اور انسانی عقل اس کی پہچان کے لئے آمادگی رکھتی ہے لیکن اس پر ہمیشہ حرص، طمع، لالچ، شہوت، غرور، حسد، عشق میں افراط، مال و دولت، بیوی بچوں، جاہ و مقام وغیرہ کا سیاہ دھواں اور موٹی تہہ جمی ہوئی ہے جنہوں نے عقل کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان سے صحیح شناخت کی طاقت سلب کر لیتی ہیں۔ یہاں اگر تقویٰ کی بارش اس غبار کو دھو ڈالے تو عقل بھی حقائق کو ان کی صحیح صورت میں پہچان لے گی۔

حقیقت سرائی است آراستہ ۔ ہوئی و ہوس گرد برخاستہ

نبینی کہ ہرجا کہ برخاست گرد ۔ نبیند نظر گرچہ بیناست مرد

(حقیقت ایک سرائے ہے جو بہت ہی سجی ہوئی ہے اور اس کے ارد گرد ہوا و ہوس کی گرد جمع ہو چکی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جہاں کہیں گرد اٹھتی ہے تو اگر انسان کی آنکھیں ہوتی ہیں مگر وہ کسی چیز کو دیکھ نہیں سکتا)

ایک اور شاعر اس بارے میں یوں کہتا ہے:

جمال یار ندارد حجاب و پردہ ولی ۔ غبار رہ بنشان تا نظر توانی کرد

(اگرچہ محبوب کے جمال کے ارد گرد پردے موجود نہیں ہیں لیکن تو اپنی خواہشات کا غبار صاف کرلے تاکہ ان جلووں کو دیکھ سکے)

جس معاشرے میں اخبارات، ریڈیو، ٹیلیویژن، پروپیگنڈا اور افواہیں ذاتی اغراض اور ہوا و ہوس کے لئے کام کر رہے ہوں۔ وہاں ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے

انبیاء کا کام

گذشتہ صفحات میں انبیاء کی ضرورت، شناخت، صفات اور امتیازات پر اجمالی بحث ہو چکی ہے۔ زیر نظر حصہ میں انبیاء کے کاموں اور مقاصد پر مختصراً بحث ہوگی۔ یہاں بھی ہمارا طریقۂ تحقیق وحی اور ائمہ کی ضروریات سے استناد و استدلال ہوگا۔ پہلے ہم قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ انبیاء کے مقاصد کا پتہ چلایا جائے۔

۱۔ اذھب الی فرعون انہ طغیٰ (سورۂ طٰہٰ ۲۴) اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کو خطاب کرتے ہیں کہ آپ فرعون کے پاس جائیں کیونکہ اس نے خدا کی نافرمانی کی ہے۔ ہاں انبیاء کا فرض ہے کہ تمام طاغوتوں اور باغیوں کو روکیں اور فی زمانہ جو لوگ اپنے گمان میں ستمگاروں اور امپریلزم کے خلاف جدوجہد کا نعرہ لگا رہے ہیں ـ عام طور پر ان کی کوششیں نعروں سے تجاوز نہیں کرتیں۔ لیکن طاغوتوں کے خلاف حقیقی جدوجہد صرف انبیاء کے منصوبوں میں ہی شامل ہے۔

حتیٰ کہ ان طاغوتوں اور خداؤں کو مٹانے کے لئے توحید پر مبنی منصوبے بناتے ہیں کیونکہ جب تک یہ تمام جھوٹے خداؤں کی نفی نہ ہو جاتے تو اس وقت تک اللہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ فقرہ لا الہ الا اللّٰہ جو ہماری توحید کا نعرہ ہے، اس میں سب سے پہلے ہم لفظ لا الہ کو دیکھتے ہیں جو تمام طاغوتوں کی نفی کرتا ہے اور اس کے بعد "اللّٰہ" سے آشنا ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہمارا دل ماسوا اللہ سے پاک نہ ہوگا تو وہ خدا کا مقام نہیں بن سکے گا۔

۲۔ فارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبھم (سورۂ طٰہٰ آیہ ۴۷) حضرت موسیٰ فرعون سے کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے افراد کو جو تو نے غلام بنا رکھا ہے اور تیرے ظلم کے پنجے میں گرفتار ہیں آزاد کر دو اور ان کے استحصال، شکنجے اور آزار سے ہاتھ

روک لو۔ ہاں! محروم اور مستضعف لوگوں کی نجات خدائی پیغمبروں کا دوسرا فرض ہے۔ ظاہر ہے محروم افراد کی نجات طاغوت کا مقابلہ ظلم کی مذمت کا مسئلہ جو انبیاء کی طرف سے صورت پذیر ہوتا ہے وہ اس مذمت سے بالکل الگ ہے جو ملکوں کے سیمیناروں، قراردادوں اور ڈپلومیٹک نعروں میں کی جاتی ہے کیونکہ ہم نے دیکھ لیا کہ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو آزاد کرالیا اور دوسری طرف فرعون کو بھی ناکارہ بنا دیا۔ لیکن یہ انسانی حقوق کے حامی اپنی تمام عمر میں ایک مہینے کی تنخواہ بھی انسانوں کے لئے خرچ نہیں کر سکے اور یوں کہا جا سکتا ہے کہ آج تک انہوں نے دنیا میں کوئی ایسا قابل قدر کارنامہ انجام نہیں دیا جو مستضعف انسانوں کی رہائی اور نجات کی خاطر ہو بلکہ انہوں نے تو صرف انسانی حقوق کے نام سے اپنے لئے کچھ حقوق بنا رکھے ہیں۔ آیا اب وہ وقت نہیں آیا کہ دنیا کے مستضعف لوگ ان اداروں اور تنظیموں سے قطع امید کرلیں اور آپس میں متحد ہو کر انبیاء کے طریقوں کو اپنائیں؟

۳۔ وتاللّٰہ لاکیدن اصنامکم (سورۂ انبیاء آیہ ۵۷) تیسرا قدم خو خدا کی طرف مامور انبیاء نے اٹھایا وہ شرک اور خرافات کے خلاف جدوجہد یعنی آدم پرستی سے لے کر چاند، سورج، پتھر، لکڑی، قومیت، مولوگری، مقام، درجہ، پیشہ، خواہشات پرستی اور شرک کے دوسرے تمام ذرائع انبیاء کے ہاتھوں ختم ہو جانے چاہییں اور اگر یہ ختم نہ ہوں تو ان پر کاری ضرب لگنی چاہیے۔ یہ ابراہیم کا نعرہ ہے جو اپنے بت پرست چچا سے نرم لہجے میں بات کرتے ہیں اور نمرود کے ساتھ اس قدر خوبصورت استدلال، سورج اور چاند پرستوں کے لئے بہت ہی دلچسپ استدلال رکھنے کے باوجود جب انہوں نے سمجھا کہ اب استدلال اور بات چیت کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو اس وقت نعرہ لگا کہ میں بہت جلد تمہارے بتوں کو توڑ کر رکھ دوں گا اور اسی طرح عمل بھی کیا۔ کیونکہ جہاں وعظ ونصیحت اور استدلال کا کوئی اثر نہ ہو تو اس وقت فیصلہ کن انقلابی نعرہ کے ساتھ انسانوں کی سوئی ہوئی فطرتوں کو بیدار کر دیا۔ لہٰذا ہم نے ابراہیمؑ کو دیکھا کہ جس دن شہر میں کوئی آدمی نہ تھا تو آپ نے کلہاڑا لیا اور بت خانے میں گئے اور قرآن مجید

کے مطابق "فجعلھم جذاذا" (سورۃ انبیاء آیہ ۵۸) بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور کلہاڑے کو سب سے بڑے بت کی گردن پر رکھ کر چلے گئے۔ جونہی شہر کے لوگ واپس آئے اور بُت خانے میں داخل ہوئے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ "کس ظالم نے ہمارے خداؤں کو توڑ پھوڑ دیا ہے؟ لیکن زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ ان کا خیال حضرت ابراہیمؑ کی طرف گیا اور کہنے لگے کہ "یہ صرف اسی کی کارستانی ہوسکتی ہے۔" ابراہیمؑ ہمیشہ ہمارے بتوں اور بت پرستی پر کڑی نظر کیا کرتے تھے اور اب ان کو گرفتار کر کے لوگوں کے سامنے لایا جائے تاکہ وہ اپنے کئے ہوئے ظلم کا اقرار بھی کریں اور ہم بھی ان کے اس عمل کی مذمت کریں اور اس کام کا بدلہ انہیں دیا جائے۔ ابراہیمؑ کو لایا گیا۔ اس سے پوچھنے لگے کہ تم نے کیوں ہمارے بتوں کو توڑا ہے۔ انہوں نے کہا اگر بڑا بت بات کرسکتا ہے تو اس سے پوچھیں۔ لوگوں نے تعجب سے دیکھا اور کہا کہ یہ بُت تو بول نہیں سکتا۔ حضرت ابراہیمؑ جو اس جواب کے منتظر تھے اور دیکھا کہ بت پرست لوگ اس قدر پشیمان اور پریشان ہوکر سوچنے پر مجبور ہوگئے ہیں اور انہوں نے اپنے سر نیچے جھکا لئے ہیں، تو اس وقت نعرہ لگایا۔ آیا تم ان بتوں کی پُوجا کرتے ہو جو نہ تمہیں فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان؟ کیا تم غور فکر نہیں کرتے۔ یہ داستان جو سورۃ انبیاء کی آیت نمبر ۵ کے بعد آئی ہے انبیائے کارناموں کو بیان کرتی ہے کہ کس طرح انبیاء اکیلے شرک، خرافات، سوئے ہوئے ضمیر اور دل کو بیدار کرنے کے لئے بڑی جرأت کے ساتھ خطرات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ پیغمبر اس بات پر راضی ہوجاتا ہے کہ لوگوں کو دوزخ کی آگ سے نجات دلانے کیلئے اپنے آپ کو دنیا کی آگ میں ڈال دے کیونکہ ہم نے دیکھا کہ مخالفوں نے کیسی آگ جلائی اور اس توحیدی بہادر انسان کو اس میں پھینک دیا لیکن وہ اس بات سے غافل تھے کہ ان کا نقشہ خراب ہوجائے گا اور خدا کے ارادے سے حضرت ابراہیمؑ آگ کے شعلوں میں بھی صحیح و سلامت رہے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

۴. یا داؤد انا جعلناك خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق (ص ۲۶) اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ مقرر کیا پس تم لوگوں میں حق کے ساتھ عدل و انصاف کرو۔

یہ آیت بھی انبیاء کے ایک فرض منصبی کو بیان کرتی ہے اور وہ حق کے ساتھ عدل و انصاف کرنا ہے۔ یہی مقصد ایک دوسری آیت میں بھی بیان ہوا ہے: "ولکل امۃ رسول فاذا جاء رسولھم قضی بینھم بالقسط وھم لا یظلمون (یونس: ۴۷) ہر امت کے لئے ایک پیغمبر ہے۔ جب ان کے پاس پیغمبر آیا تو لوگوں کے درمیان عدل ہوتا ہے اور کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔

۵. یامرھم بالمعروف (اعراف: ۱۵۷) پیغمبر لوگوں کو نیکی کے کاموں کی دعوت دیتا تھا۔ وہ غارت کی جگہ ایثار، بتوں کی جگہ خدا، تفرقے کی جگہ اتحاد، قتل کی جگہ اخوت، فضول خرچی کی جگہ زہد، جہالت کی جگہ علم، ظلم کی جگہ عدل، امتیازات کی جگہ مساوات، غرور کی جگہ تواضع، شرک کی جگہ خلوص لائے اور ایک وسیع تہذیبی انقلاب برپا کیا۔

۶. وینھاھم عن المنکر۔ پیغمبر اسلام بھی دوسرے انبیاء کی طرح لوگوں کو بُرے مسائل سے روکتے تھے۔ آنحضرت کی بعثت سے پہلے کا معاشرہ فکری، تہذیبی، عقیدتی، طبی، اقتصادی، امن عامہ اور اجتماعی لحاظ سے بدترین حالات کا شکار تھا جس کا ثبوت ہمیں حضرت علی علیہ السلام کے اقوال سے بھی ہوتا ہے۔

فکری لحاظ سے چراغِ ہدایت مکمل طور پر بجھا ہوا تھا اور پورے ماحول پر حیرت اور کوردلی چھائی ہوئی تھی۔" فالھدی خامل والعمی شامل" (نہج البلاغہ خطبہ ۲، ص ۴۴ باہتمام فیض الاسلام)

ثقافتی نقطہ نظر سے بھی کوئی کتاب خوان شخص موجود نہیں تھا۔ ولیس احد من العرب یقرء کتابا۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۳۳، باہتمام فیض الاسلام ص ۱۰۲)۔

عقیدے کے لحاظ سے ان انسانوں کے درمیان پتھر اور لکڑی کے بت نصب تھے جن کے گرد وہ پروانہ وار جمع ہوتے اور عبادت کرتے ۔ والاصنام فیکم منصوبہ.

طبی لحاظ سے گندا پانی استعمال ہوتا تھا ۔" تشربون الکدر": (نہج البلاغہ خطبہ ۲۶) اور خراب غذا کھائی جاتی تھی " و طعامها الجیفۃ " (نہج البلاغہ خطبہ ۸۸)

معاشی نگاہ سے بھی ان پر غربت چھائی ہوئی تھی اور روکھی سوکھی روٹی کے سوا اکثر لوگوں کو کچھ میسر نہیں تھا۔ حضرت علیؑ اس وقت کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں : "و تاکلون الجشب" (نہج البلاغہ خطبہ ۲۶) ۔

امن و امان کے لحاظ سے لوگوں کے دلوں پر خوف کی اور دماغوں پر تلوار کی حکومت تھی جو بات دلوں سے چپکی ہوئی تھی وہ ڈر تھا اور جو الگ تھی وہ تلوار تھی ۔" شعارها الخوف و دثارها السیف" (نہج البلاغہ خطبہ ۸۸) ۔ ایک طرف سب ڈرتے تھے اور سب پر خوف طاری تھا لیکن بظاہر وہ لوگ بہادر اور جابر تھے اور سب کے پاس تلواریں تھیں اور وہ ایک دوسرے کو ڈراتے دھمکاتے رہتے تھے ۔ سماجی نقطہ نظر سے قبائل میں سرد جنگ جاری تھی. وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے اور معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے کا خون بہادیتے ۔ رشتہ داریاں ٹوٹتی جا رہی تھیں ۔ حق کمزور تھا اور شیطان مضبوط ۔ آنسو آنکھوں کا سرمہ بن چکے تھے ۔ حضرت علیؑ نے اس حالت کی تصویر یوں کھینچی ہے :" تسفکون دماءکم و تقطعون ارحامکم ۔" (نہج البلاغہ، خطبہ ۲۶) مختصر یہ کہ زندگی کی بدترین حالت میں تھے ۔ خرافات میں گم اور شرک کی تاریکی میں کھوئے ہوئے ۔ تفرقہ اور بھوک ننگ کا دہاں چلن تھا ۔ پیغمبر اسلامؐ آئے تو تاریکی اور منکرات کے سارے بادل چھٹ گئے ۔ انبیاء کا ایک کام یہی نہی عن المنکر اور برائیوں کے خلاف جہاد تھا ۔ انسانوں کا قتل ، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا، ایران میں بادشاہوں کو سجدہ کرنا ، عربستان میں بُت پرستی ، سود خوری اور شراب نوشی ..... ان چیزوں سے بڑے منکرات کیا ہوں گے اور بنی نوع انسان کو ان منکرات سے نجات دلانے سے بڑی خدمت اور کیا ہوگی ۔

اگر ہمیں اُن آسمانی پیشواؤں اور حقیقی راہنماؤں کی قربانیوں کا صحیح علم ہوتا تو ہم ان کی جگہ کبھی ان لیڈروں کو نہ دیتے جو محنت کشوں کی حمایت اور عزت کے نام پر محلات میں رہ رہے ہیں اور ممتاز فلسفہ دان علم اور فلسفہ کے نام پر کروڑوں انسانوں کو تباہ کر رہے ہیں۔ ہمیں انبیاء ہی کے سیدھے راستے پر چلتے رہنا چاہیے تھا کیونکہ انبیاء سچے بھی تھے اور کامیاب بھی۔ دوسرے نہ صادق ہیں نہ کامیاب۔ جو نئے مکاتبِ فکر سامنے آتے ہیں چند ہی سالوں کے بعد ان کے منفی پہلو سامنے آنے شروع ہو جاتے ہیں اور اگر یہ لوگ کبھی کبھار معاشرے کے لئے کوئی صحیح پروگرام شے بھی دیں تو اس سے بہتر نظریہ پہلے سے انبیاء کی دعوت میں موجود ہوتا ہے۔ سب چیزوں سے قطع نظر ان غیر آسمانی لیڈروں اور مصلحوں کی تجاویز کا اثر صرف مرنے تک ہی ہوتا ہے۔ جب کہ انبیاء کے پیش کردہ پروگرام جاودانی اثر رکھتے ہیں۔

دوسری طرف یہ لوگ جو پروگرام پیش کرتے ہیں۔ ممکن ہے وہ زندگی کا ایک پہلو تو آباد کرتا ہو لیکن اس میں دوسرے پہلوؤں سے صرف نظر کیا گیا ہو۔ مثلاً کبھی اس پروگرام میں انسان کی آزادی کے نام پر دوسری تمام اخلاقی اور اجتماعی اقدار سے چشم پوشی کر لی گئی ہو۔ کبھی معاشی پہلو پر اس قدر توجہ دی جاتی ہے کہ تمام اجتماعی، سیاسی، عقیدتی اور فوجی عوامل کو معاشی عینک سے ہی دیکھا جا سکتا ہے اور باقی تمام اقدار کو بھلا دیا جاتا ہے لیکن خدا کے انبیاء کی طرف سے جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اس میں نہ تو کسی قدر کو گھٹایا جاتا اور نہ کسی اصول کو ترک کیا جاتا ہے اور یہی انبیاء کے مکتب کی خصوصیت ہے۔ یہ صرف اسلام ہے جہاں میدانِ جنگ میں بھی نماز، اخلاقی قدروں کی پاسداری اور خیر خواہی نظر آتی ہے۔ نماز صرف عبادت ہی نہیں بلکہ اس کا ایک سیاسی اور سماجی پہلو بھی ہے۔

۷۔ یزکیھم و یعلمھم

انبیاء کا ایک مقصد تزکیہ اور تعلیم ہے۔ تزکیہ یعنی پاک کرنا، کسی چیز کی نشوونما کرنا۔ انسان جب تک خود کو جاہلی تعصبات، خود غرضی اور گناہوں سے نہ بچائے وہ نشوونما نہیں کر سکتا۔ اس سلسلے میں ایک حکایت ملاحظہ ہو:

گھوڑے پر سوار ایک شخص کم پانی والے نالے پر پہنچا۔ گھوڑا پانی میں سے گذرنے کی بجائے رُک گیا۔ وہ شخص گھوڑے سے اترا اور اس کی لگام پکڑ کر آگے آگے چلنے لگا لیکن گھوڑا آگے چلنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ اس شخص کو غصہ آگیا اور گھوڑے کو چابک پر چابک مارنے لگا لیکن گھوڑا ٹس سے مس نہ ہوا، سوار تھک ہار گیا۔ قریب ہی ایک عقل مند شخص یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس نے سوار کو بلایا اور کہا کہ تم پانی کو گدلا کر دو تو گھوڑا باآسانی چلنے لگے گا۔ سوار نے ایسا ہی کیا تو گھوڑا چل پڑا۔

سوار نے اس عقلمند شخص کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پانی گدلا کرنے کا فلسفہ پوچھا تو اس نے جواب دیا، پہلے پانی صاف و شفاف تھا اور گھوڑے کو اپنا عکس اس میں نظر آتا تھا۔ وہ جب خود کو دیکھتا تو اس پر اپنا پاؤں نہ رکھتا۔

انسان بھی جب تک خود غرض اور خود پرست اور خود بین رہے اور اپنی خواہشوں پر قدم نہ رکھے تو کبھی پیش رفت نہیں کر سکتا جو شخص خود کو عبور نہ کرے وہ خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔

تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات میں دفن نہ ہو جائے اور اپنی اندرونی ہوس کا غلام بن کر نہ رہ جائے۔ اسے نہ صرف اپنی روح کو شرک، حسد، جاہ پسندی، ذلت، خوف، ظلم اور تن پروری سے پاک کرنا چاہیے بلکہ اپنی فکر کو بھی جہالت اور خرافات سے نجات دلانی چاہیے اور معاشرے کو بھی خفقان، استثمار، طاغوت پرستی اور زور و ستم سے بچانا چاہیے۔ کل بھی اور آج بھی یہ دنیا اپنی ہمہ جہتی ترقی کے باوجود جس مشکل میں مبتلا ہے وہ عدم تزکیہ ہے۔ دانشوروں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے لیکن جرائم کی تعداد کم نہیں ہوئی۔ حقوق کے علمبرداروں کی تعداد میں جتنا اضافہ ہوتا جا رہا ہے کمزور قوموں کے حقوق اتنے ہی زیادہ پامال ہو رہے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ ان لوگوں کو تعلیم دی جا رہی ہے جن کا تزکیہ نہیں ہوا۔ مختصر سا جائزہ لینے کے بعد ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء کے مکتب میں تربیت حاصل کی ہے اور جو لوگ غیر آسمانی تہذیبوں کے تربیت یافتہ ہیں ان کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بے شک ہم مسلمان کہلانے والے ہر شخص کے بارے میں

یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کی تربیت اسلامی بنیادوں پر ہوئی ہے۔ انبیاء کا ایک مقصد تعلیم و تربیت تھا اور یہی چیز انسان کو حیوان سے ممیز کرتی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا کے ترقی یافتہ ترین ملکوں میں بھی جب صدارتی عہدے کے لئے انتخابات ہوتے ہیں تو امیدوار جھوٹے وعدوں کے انبار لگا دیتے ہیں۔ ووٹروں کی خوشامد کرتے ہیں اور ہر قسم کا ناروا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ یہ صرف تزکیہ اور تقویٰ ہے جو انسان کو تمام خوشیوں یا مصیبتوں کے سامنے ثابت قدم رکھ سکتا ہے اور وہ اس بات پر آمادہ نہیں ہوتا کہ "رہائشی زمین حاصل کرتے وقت ایک چیونٹی پر بھی زیادتی کرے"۔ (نہج البلاغہ) آج کی دنیا کو سارے مادی وسائل حاصل ہیں تو آپ نے دیکھا کہ وہ کس طرح شاہ کی حکومت کی طرف دار تھی اور ایران کے ایک لاکھ ساٹھ ہزار شہداء اور معذورین سے انہیں کچھ ہمدردی نہیں تھی۔ ایرانی قوم کو ہمدردی کا ایک پیغام بھی نہ ملا۔ جس دنیا نے انبیاء کے مکتب سے منہ پھیر لیا ہو اور تزکیے سے غافل ہو، اس سے یہی توقع رکھی جا سکتی ہے۔

۸۔ لیقوم النّاس بالقسط

(حدید ۲۵) انبیاء کی آمد کا مقصد ایسے معاشرے کی تعمیر تھا جہاں لوگ خود عدل و انصاف قائم کریں۔ وہ اس لئے آئے کہ ایسا ماحول تیار کریں جو نہ تسلّط پسند ہو نہ تسلّط پذیر۔ بقول قرآن: لا تظلِمون ولا تظلَمون۔

ان کا مقصد ایسی امت کی تشکیل تھا جو بقول قرآن "اُمّتِ وسط" ہو، ایک اصول کو دوسرے اصول پر قربان نہ کرے۔ اگر وہ ایک فرد کو آزادی کا حق دیتی ہے تو ایک قوم کو بھی آزادی کا یہ حق دے۔ اگر اس جہان میں زندہ رہنے کے لئے اس کے پاس پروگرام ہے تو اگلے جہان کی زندگی پر بھی اس کی توجہ ہونی چاہیے۔ پیغمبر اس لئے آئے تھے کہ ایسی امت بنائیں جس کے جوش کے ساتھ ہوش بھی ہو۔ آہ و نالہ کے ساتھ نعرہ بھی، نماز کے ساتھ زکوٰۃ بھی ہو۔ انبیاء ایسا معاشرہ بنانا چاہتے تھے جو خدا کے رنگ میں رنگا ہو یعنی قرآن کے لفظوں میں "صبغۃ اللّٰہ" (بقرہ: ۱۳۸) ہو۔

جو انسان یا معاشرہ خدا کے رنگ میں رنگا جاتا ہے وہ پھر نہ سپر طاقتوں کا رنگ قبول کرتا ہے نہ طاغوتوں کا رنگ، نہ قبیلہ، نسل اور ذاتی خواہشات کا رنگ۔ خدا کا رنگ اختیار کرنے کا

مطلب ہے کہ شرقی وغربی تمام رنگوں سے محفوظ ہو جانا۔ اگر آج ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے لڑکھڑا رہا ہے یا ظلم سہہ رہا ہے یا ابھی "امت وسط" نہیں بنی اور خدا کا رنگ اختیار نہیں کیا تو یہ اس لئے ہے کہ ابھی امت نے اپنے نبی اکرمؐ کا صحیح راستہ نہیں اپنایا۔

۹۔ ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم (اعراف، ۱۵۷)

انبیاء کی بعثت کے مقاصد میں ایک اور مسئلہ جو سامنے آتا ہے وہ سخت اور جابرانہ احکام اور غلط رسوم کو ختم کرنے کی ذمہ داری ہے۔ جیسا کہ مذکورہ آیت سے پتہ چلتا ہے۔ رسول اکرمؐ کے مشن میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ انسان کے کندھوں پر سے ایسے کاموں کا بوجھ اُتارا جائے جو اسے بنیادی سرگرمیوں سے باز رکھتا ہے۔ قرآن مجید کی آواز چودہ سو سال گونج رہی ہے۔ ان معاشروں میں اکثر ایسے بظاہر قرآن دوست حضرات نظر آتے ہیں جو لایعنی رسوم و رواج کے پابند ہونے کے باعث اپنی نشو و نما کو روکے رکھتے ہیں۔ مثلاً وہ بعض تعمیری جلسوں میں محض اس لئے شرکت کرنے سے کتراتے ہیں کہ ان کے پاس فلاں قسم کا لباس نہیں ہے یا حج کے بعد ایک قسم کی تکلفاتی رسوم کی بنا پر اس اسلامی اجتماع میں شرکت سے گریز کرتے ہیں۔ دفتر کی فضول کارروائیوں کی خاطر وہ اپنے حق سے چشم پوشی کرنے اور مجرم کا تعاقب نہ کرنے پر تیار ہیں یا شادی کی بے معنی رسموں کی خاطر کئی سال تک شادی تاخیر سے ہوتی ہے لیکن رسول اکرمؐ آئے اور انہوں نے معاشرے پر سے بھاری بوجھ کا وزن ہلکا کیا اور وہ یوں کہ مدینہ میں مٹی گارے سے ایک سادہ سی مسجد بنائی اور اسے سب کاموں کا مرکز قرار دیا۔ جس میں اجتماعات بھی ہوتے تھے اور سیمینار بھی، عدالت بھی لگتی تھی اور فوجی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ وہی مکتب بھی تھا اور عبادت خانہ بھی۔

تازہ مثال ایران کے اسلامی انقلاب کے قائد کی لے لیجیے۔ آپ ان سے جماران (اس جگہ کا نام جہاں امام خمینی سکونت پذیر ہیں) میں ملیں اور پھر یورپی یا امریکی سربراہِ حکومت یا ویٹیکن سٹی کے پاپائے اعظم کے ساتھ ملاقات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے لائیں۔ ایک طرف

سادگی، کم خرچی، خلوص اور وحدت کا رنگ ہے اور دوسری تکلفات اور طرح طرح کی پابندیاں اور مصنوعی شان و شوکت ہے۔

ہمیں ان مسائل کو معمولی سمجھ کر چھوڑ نہیں دینا چاہیے اگر ہم اپنی نظر کو قدرے وسیع کریں اور ساری دنیا کو سامنے رکھیں اور اس بجٹ کو منہا کر دیں جو دنیا بھر کے ممالک تکلفات اور غیر ضروری رسومات پر صرف کرتے ہیں تو شاید بہت جلد پسماندہ علاقوں کی مشکلات حل ہو جائیں۔ یہ باتیں " ویضع عنہم اصرھم " کی مختصر تشریح ہو سکتی ہیں۔ یعنی رسول اللہؐ نے کس طرح اپنے احکام اور سنت کے ذریعے " اصر" اور بھاری کاموں کا بوجھ امت کے کندھوں سے اُتارا۔ آیت کا بقیہ حصہ " والاغلال التی کانت علیہم " کا بھی یہی مطلب ہے۔ لوگوں کی فہم و فکر، زبان و قلم اور دست و پا پر جو گرہیں پڑی ہوئی تھیں رسول اللہؐ نے ایک ایک کر کے انہیں کھولا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگوں کی خواہشات ہوتی ہیں لیکن وہ کہہ نہیں سکتے یا بعض دفعہ کچھ واقفِ حال گماشتے بات کو چھپاتے ہیں اور لوگ حقیقتِ حال کو سمجھ نہیں سکتے۔ اس مقام پر ایک لائق اور جان بکف قائد آگے بڑھتا ہے اور حقیقت حال بیان کرنے لگتا ہے تو اچانک زبانیں کھل جاتی ہیں۔ اعلانیہ لکھتا ہے تو قلم آزاد ہو جاتے ہیں، حملہ کرتا ہے تو خوف ختم ہو جاتا ہے جو کام عوام کی نظر میں محال تھے انہیں نہایت آسانی سے انجام دیتا ہے۔ اس کی معمولی مثال ہمیں ایران کے اسلامی انقلاب میں امام خمینی کی قیادت میں ملتی ہے کہ کس طرح ایک قائد نے زبانوں کے تالے توڑے اور ساری قوم شاہی حکومت کو لعن طعن کرنے لگی، قلم کس طرح آزاد ہو گئے اور جو قوم امریکہ کے کتے سے ڈرتی تھی اس نے خود امریکہ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا اور امریکی جاسوسوں کو یرغمال بنالیا۔ یہ ایک نہایت ہی عام سا نمونہ ہے جو رسولِ اکرمؐ کے بڑے بڑے کاموں کو منعکس کرتا ہے۔

۱۰۔ مبشرین اور منذرین

انبیاء کا ایک اور کام بشارت دینا اور لوگوں کی ڈھارس بندھانا اور ان میں خوش بینی پیدا کرنا اور روشن مستقبل کو دلائل کے ساتھ بیان کرنا ہے۔ دنیا امید پر قائم ہے۔ یہ غیر آسمانی

ملتب ہیں جو انسان کے مستقبل کو بے کار سمجھتے ہیں اور انسان کی موت کو ایک حیوان کے مر جانے کے برابر قرار دیتے ہیں اور زندگی کو یہی چار روزہ سمجھتے ہیں۔ ایسے حالات میں جائے تعجب نہیں کہ ہر آن نفسیاتی بیماریوں میں اضافہ ہو اور منشیات کا استعمال بڑھے اور زیادہ سے زیادہ خواب آور گولیاں کھائی جائیں۔ مستقبل سے پُر امید نہ ہونے اور معاشرے کے لئے خوشخبری نہ ہونے کا نتیجہ ہے کہ دنیا میں ہیپی ازم متعارف ہوا ہے اور فطری قوانین کو پامال کیا جا رہا ہے۔

اگر ابدی زندگی کی بشارت اور کمال مطلق کے ساتھ جا ملنے کی امید نہ ہو اور موت سے آدمی کو ختم ہی ہونا ہے تو کیوں نہ جلد از جلد ختم ہوا جائے؟ بالفرض ہم چند سال زندہ رہیں گے اور چند ہزار سال آب و دانہ کھائیں گے۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ یہ ہے مادّی نقطۂ نظر سے دنیا کو دیکھنے کا منظر۔ وہ شخص جو خود کو خدا کے حضور نہیں جانتا اور قرب خدا اور ابدی زندگی اور بہشتِ جاوداں کا اس کے ہاں کوئی تصور نہیں لیکن الٰہی نظریۂ کائنات جو نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ انسان کو فنا ہونے والی مخلوق قرار دیتا ہے لیکن اس کے مستقبل کو روشن سمجھتا ہے اور انسان کے ہر چھوٹے بڑے عمل کا صلہ مقرر کرتا ہے اور زندگی کو صرف چار روزہ دنیا تک ہی منحصر نہیں کرتا۔ ایسے نظریۂ کائنات میں تمام ناگواریاں اور مشکلیں بھی خدا کے لطف کے ساتھ حل ہو جاتی ہیں۔ انسان جب اس نظریئے کے تحت دیکھتا ہے تو وہ زندگی میں دوسرا مزہ پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کی طرف سے بخشش اور کئی گنا صلے کی بشارت ایک طرف اور قرب خدا اور بہشتِ جاوداں میں اولیاء اللہ کی رفاقت کی خوشخبری دوسری طرف انسان کی روح کو پُر امید کرتی ہے اور انسان کو خدا اور ہستی کے بارے میں خوش بین بناتی ہے۔ نہ زندگی اس کے لئے سراب ہے نہ اس کی کوشش رائیگاں جاتی ہے۔ یقیناً اب ہم پر واضح ہو گیا ہے کہ زندگی میں اُمید کا کردار کتنا اہم ہے چنانچہ انبیاء کے مشن کا ایک مقصد لوگوں کو امید دلانا ہے انبیاء کا ایک اور کام لوگوں کو ڈرانا ہے۔ انسان میں خوف و ہراس کا پایا جانا کئی ناگواریوں سے بچنے کی علامت ہے لیکن انسان کو مستقبل کے خطرات سے آگاہ رہنا چاہیئے تاکہ وہ ڈرے۔ جو بچہ سانپ کے ڈنگ کو نہیں سمجھتا وہ اسے محض ایک رسی سمجھتا ہے۔ یہ ماں باپ کا فرض

ہے کہ وہ اپنے بچے کو سانپ کے بارے میں بتائیں تاکہ اسے سانپ کے خطرے کا علم ہوسکے۔

انبیاء نے سابق امتوں کا حال بتایا ہے کہ وہ کس طرح اپنے ظلم، کفر، غرور، عہد شکنی، دھوکہ، فریب، سستی، تفرقے، بے جا خوف، کفرانِ نعمت، قتل، گناہ اور تکبر کی وجہ سے خدا کے تجبّر کا نشانہ بنیں اور ہلاک ہوگئیں۔ انبیاء لوگوں کو خبردار کرتے ہیں کہ خدا کے قہر اور غضب کا مسئلہ اس کے لطف و رحمت کی طرح ایک قانون ہے اور ہر امت اپنے لئے خود حق یا باطل کا راستہ چنتی ہے اور اس کا انجام اس راستے سے وابستہ ہے اور اس معاملے میں اُمتوں کے درمیان امتیاز نہیں ہے۔

سابقہ اُمتوں کے حالات سُنا کر ڈرانے کا یہ طریقہ خطرے کے ایک عام اعلان اور قوموں کی تقدیر سے وابستہ ہے۔

ڈرانے کا دوسرا طریقہ ایک شخص اور فرد سے متعلق ہے۔ پیغمبر خبردار کرتے ہیں اور ہمیں جہنم کی آگ سے آگاہ کرتے ہیں اور لفظوں کے ذریعے وہ مناظر بیان کرتے ہیں جو ایک مجرم کو موت کے بعد خدا کی عدالت میں تمام انبیاء اور فرشتوں اور لوگوں کے سامنے پیش آتے ہیں۔ اس مجرم کے سارے راز فاش ہوکر سامنے آجاتے ہیں، اس کا نامۂ اعمال اس کے ہاتھ میں تھما دیا جاتا ہے جس میں اس کا ہر چھوٹا بڑا عمل درج ہے۔ وہ مجرم پکار اٹھتا ہے کہ یہ کون سی کتاب ہے جس میں میرے سارے اعمال درج ہیں۔

انبیاء ہمیں اس دن سے خبردار کرتے ہیں جب ہمیں فرداً فرداً اپنے سب سے معمولی اعمال کے محاکمہ کا بھی سامنا کرنا ہوگا۔ اس دن کے خطرے کا حال یہ ہے کہ مجرم شخص پسند کرتا ہے کہ اس کے بیوی بچے، والدین، دوست احباب حتیٰ کہ سب کے سب لوگ اس ایک شخص کے بدلے گروی رکھ لئے جائیں اور جہنم میں ڈال دیئے جائیں لیکن خود اسے نجات مل جائے۔

کیا خدا کے قہر کا خوف اور روزِ حساب کی رسوائی اور آگ کا ڈر انسانوں کو برائیوں سے دور رکھنے کا بہترین محرک نہیں ہے؟

قرآن میں معاد کے بارے میں ہزاروں آیات اور سابقہ اُمتوں کی ہلاکت کے بارے میں

سینکڑوں آیات کا پایا جانا اسی وجہ سے ہے کہ انسان غفلت کے اندھیرے سے باہر نکلے اور جن خطرات کا اسے اور اس کے معاشرے کو سامنا ہے۔ ان پر توجہ دے۔ خدا سے ڈرے اور اپنی حفاظت کرے۔

لہٰذا انبیاء کا جہاں ایک طرف کام لوگوں کو خدا کے لطف و بخشش اور انعام کی خبر دینا ہے وہاں دوسری طرف دنیا میں ہلاکت اور قیامت کے دن خدا کے قہر سے ڈرانا بھی ہے۔

۱۱۔ لیخرجکم من الظلمات الی النور (احزاب ۴۳)

رسول آئے تاکہ تمہیں تمام اندھیروں سے نکالے اور نور کی دعوت دے۔ جہالت کے اندھیرے سے علم کے نور کی طرف، نفاق کے اندھیرے سے خلوص کے نور کی طرف، شرک کے اندھیرے سے نورِ وحدت کی طرف، تفرقہ کے اندھیرے سے نورِ وحدت کی طرف، وحشت کے اندھیرے سے امن و سکون کے نور کی طرف، تعصب کے اندھیرے سے تحقیق کے نور کی طرف، تقلید کے اندھیرے سے تدبّر و تفکّر کے نور کی طرف، ہوا و ہوس کے اندھیرے سے ہدایت کے نور کی طرف۔

انبیاء کے مشن کے یہ مجموعی خطوط ہیں لیکن ان کا کام صرف اسی تک محدود نہیں ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ انبیاء کی ایک ایک خدمت سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے ہمیں قرآن کا مزید مطالعہ کرنا ہوگا۔

۱۲۔ یا ایھا الذین آمنوا استجیبوا للّٰہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم (سورۂ انفال ۔ ۲۳)

اے ایمان والو جب خدا و رسول تمہیں زندگی بخش احکام کی دعوت دیتے ہیں تو اسے قبول کر لیا کرو۔

اس آیت میں بعثتِ انبیاء کو زندگی بخش قرار دیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بعثتِ انبیاء سے پہلے معاشرہ زندہ نہیں تھا بلکہ مردہ تھا۔ وہ معاشرہ اپنے بُت پرست

اسلاف کی تقلید کے سوا کچھ نہیں کرتا تھا۔

اس معاشرے میں قبیلوں کے تعصب کے سوا کوئی دوسری سوچ نہیں تھی۔ اس معاشرے میں لوگ دوسروں پر ستم تو کرتے تھے لیکن اپنی یا دوسروں کی نجات کے بارے میں کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔

اس معاشرے میں اولاد کو مار ڈالا جاتا تھا اور لڑکیوں کی پیدائش کو باعثِ ننگ سمجھا جاتا تھا۔ اس معاشرے کے لوگوں کی نہ کوئی تہذیب تھی نہ صحت، نہ قوت خیال نہ آزادی، ایسے معاشرے کو مردہ ہی کہنا چاہیے اور اس میں اگر ایک پیغمبر مبعوث ہوتا ہے جو خدا کی طرف دعوت دیتا ہے، سوچنے کو عبادت کہتا ہے، علم حاصل کرنا ہر مرد و زن پر واجب خیال کرتا ہے، ظالم کی مذمت اور مظلوم کی حمایت ہر انسان کا فریضہ قرار دیتا ہے، انسان کی صحت کی خاطر اس کے بالوں، دانتوں، بدن اور لباس کے بارے میں احکام بیان کرتا ہے، اقربا پروری، بے جا خوشامد، امارت، کھوکھلے امتیازات، شخصیت پرستی، ستم گروں پر بھروسے اور بےجا کرطعنے کی مذمت کرتا ہے اور بدگمانی، نفاق، بدظنی اور بتوں کی عبادت کی جگہ حسنِ خُلق، خلوص، اتحاد، بخشش، تعاون، حسنِ ظن اور خدا کی عبادت کا حکم دیتا ہے، غرض معاشرے کے ہر شعبۂ زندگی میں ایک تہذیبی انقلاب لاتا ہے تو ایسے پیغمبر کے احکام کو زندگی بخش ہی کہا جا سکتا ہے جبکہ وہ احکام خدا کی طرف سے وحی ہوتے ہوں اور ہر قسم کے شک وسہو سے پاک ہوں۔

یہ باتیں اس وقت بہتر طور پر سمجھی جا سکتی ہیں جب اس دنیا کے مفاسد کا ذکر اعداد و شمار کے ساتھ کریں۔ جہاں وحی اور انبیاء کی تعلیمات کے بغیر علم و صنعت میں ترقی کی گئی ہے۔ دنیا میں ٹیلی فون ایجاد ہوا لیکن اس پر جھوٹ بولے جاتے ہیں۔ ہوائی جہاز بنے ان کے ذریعے بستیوں پر بم گرائے جاتے ہیں اور ہزاروں بے گناہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو ہلاک کیا جاتا ہے لہٰذا اگر ایجاد کے ساتھ ساتھ ایمان اور تقویٰ نہ ہو تو ایسی ایجاد سے تباہی کے سوا کچھ امید نہیں رکھی جا سکتی۔ ہمیں قرآن کریم سے جو تاریخی بصیرت ملی ہے اس کے مطابق انبیاء کی ہدایت کے بغیر اس صنعتی اور علمی دنیا کا انجام خود اسی کے علم کے ہاتھوں تباہی

ہے۔ اس دنیا کے آثار سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ بین الاقوامی تنظیمیں، سربراہان مملکت اور سپر طاقتیں سوائے اپنے مفادات کے تحفظ اور ویٹو کا حق استعمال کرنے اور دوسروں کا استحصال کرنے کے کچھ نہیں کر رہی ہیں۔ آخر کار دنیا بھر کے محرومین ان سے اپنی اُمیدیں ختم کریں گے اور دنیا دوبارہ ایک آسمانی شخص اور قانونِ الٰہی کے لئے تیار ہو گی۔ ہمارے اسلامی نظریے کے مطابق امام مہدی اس اندھے گروہ کو ہدایت دیں گے۔ بہرحال ہمیں امام مہدی کے انتظار کے ساتھ ساتھ اپنی تاریک راتوں کو منور کرنے کے لئے خود بھی کوشش کرنی چاہیے۔

ہمیں مشرق و مغرب پر قرآنی تعلیمات پر مبنی نظام زندگی واضح کرنی چاہیے۔

۱۔ معیشت کی تقسیم کا نظام ایسی بنیاد پر کھڑا کیا جائے کہ مال و دولت صرف امراء کے ہاتھوں ہی میں گردش نہ کرتا رہے بلکہ سب کی خوشحالی کے لئے امکانات موجود ہوں۔

کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء (حشر: ۷)

۲۔ معاشرے پر نہ ظلم ہو، نہ وہ کسی پر ظلم کرے۔ بلکہ معاشرتی انصاف پر مبنی ہو۔

لا تَظلِمون و لا تُظلَمون (بقرہ: ۲۷۹)

۳۔ امور کو باہمی مشورے اور انتخاب کے ذریعے حل کیا جائے۔

و امرھم شوریٰ بینھم (شوریٰ: ۳۸)

۴۔ انتخاب میں مختلف شعبوں میں اس طرح قدم اٹھایا جائے کہ دوسرے آپ پر غالب نہ آجائیں اور آپ پر احسان نہ کریں اور نہ آپ ایرے غیرے کی ذلت اٹھانے پر مجبور ہوں۔

لئلا یکون للناس علیکم حجۃ (بقرہ ۱۵۰)

۵۔ جس طرح اجتماعی مسائل میں عفو پایا جاتا ہے اسی طرح قصاص بھی اپنی جگہ پر موجود ہے۔ اگر ہم خونخوار بھیڑیوں پر رحم کرنا شروع کر دیں تو یہ بھیڑوں پر ستم ہے۔

و لکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب (البقرہ: ۱۷۹)

قصاص تمہارے زندہ ہونے کی علامت ہے اے عاقل اُمّت۔

۶۔ غیر ملکی سیاست میں دوسروں کا ہر قسم کا تسلط ممنوع ہے۔

ولن یجعل اللّٰہ للکافرین علی المومنین سبیلا (نسار: ۱۴۱)

۷۔ ملک کا بجٹ کمینے لوگوں کے ہاتھوں میں نہ دیا جائے۔

ولا تؤتوا السفہاء اموالکم (نسار: ۵)

۸۔ خود کفالت اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ایک آئیڈیل اسلامی معاشرے کی علامت ہے۔ قرآن نے اسلامی معاشرے کو ایک کھیتی سے تشبیہ دی ہے جو اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوتی ہے۔" فاستوی علی سوقہ" (فتح: ۲۹) کہہ کر لوگوں کو بھی بتایا کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں۔ اگر تمہاری زندگی کے وسائل خراب ہوجائیں تو خود ان کی تعمیر کرو تاکہ دوسروں کی محتاجی نہ رہے۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں: "استصلاح المال استغناء عن اللئیم" اگر تم اپنے مال کی خود اصلاح کرلی تو تم کمینے لوگوں سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔

۹۔ منصب اور ذمہ داریاں لائق اور اہل لوگوں کے سپرد ہونے چاہییں۔ کیونکہ یہ مقام منصب امانت ہے اور ہمیں امانتیں ان کے اہل لوگوں تک پہنچانی چاہییں۔

ان اللّٰہ یامرکم ان تودّوا الامانات الی اھلھا (نسار: ۵۸)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں حکومت کے لئے مناسب ترین شخص وہ ہے جو ان پر حکومت میں قوی ترین ہو اور خدا کے احکام سب سے زیادہ جانتا ہو۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۲)

۱۰۔ فوجی نقطہ نظر سے اس قدر تیار رہوں کہ تمام دشمنانِ خدا خوف زدہ ہوں۔

واعدوا لھم ما استطعتم...... ترھبون بہ عدو اللّٰہ وعدوکم (سورۂ انفال: ۶۰)

۱۱۔ اپنے دینی رویے میں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ کسی سپر پاور سے نہ ان کے گماشتوں سے۔ کیونکہ خدا کے بندے راہِ حق میں کسی سے نہیں ڈرتے۔

ولا یخافون لومۃ لائم (مائدہ: ۵۴)

۱۲۔ دشمنوں کی خواہشوں سے خبردار رہیں وہ چاہتے ہیں کہ:

(الف)۔ آپ ان کے ساتھ مل جائیں۔ ’’ودوالوتدھن فیدھنون (قلم : ۹)
(ب)۔ آپ مصیبت میں مبتلا ہوں۔ ’’ودوا ماعنتم‘‘۔ (آل عمران : ۱۱۸)
(ج)۔ وہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے اسلحے اور سرمائے کی طرف کوئی توجہ نہ دیں۔
’’ود الذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم وامتعتکم (نساء ۱۰۲)

۱۳۔ اسلامی معاشرے کو ہر وقت خبردار رہنا چاہیے۔ جونہی کوئی ملکی یا غیر ملکی شخص یا جماعت اِدھر اُدھر گھسر پھسر کرے یا اجتماعات میں کسی بھی لہجے میں شعار دے اس کے مقاصد کو فوری طور پر سمجھا جائے اور اسے وہیں دبایا جائے۔ قرآن اس بارے میں یوں فرماتا ہے :

ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون۔ (اعراف : ۲۰۱) جو لوگ پرہیزگار ہیں، جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور دل کی آنکھیں کھول کر دیکھنے لگتے ہیں۔ یہ شیطان کسی بھی شکل میں ہو سکتا ہے انسانی یا غیر انسانی شکل میں۔

۱۴۔ اسلامی امت کو مشیر اور ماہر کے نام سے دوسروں کو اجازت نہیں دینی چاہیے کہ وہ ہمارے ہر چھوٹے بڑے کام اور رازوں سے آگاہ ہوں۔ قرآن نے کتنے خوبصورت پیرائے میں کہا ہے :

یاایھا الذین آمنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم (آل عمران: ۱۱۸)
اے ایمان والو دوسروں کو اپنا ہمراز مت بناؤ۔

زیر زمین معدنیات اور فنون لطیفہ کے آثار قلمی کتابوں سے لے کر نابغہ دماغوں اور فوجی رازوں تک آپ دشمن کو جو کچھ بھی بتائیں گے وہ سن کر حساس ہو جائے گا۔ لہٰذا اس قسم کی باتیں بتانے سے احتراز کرنا چاہیے۔ حضرت یوسف نے ایک خواب دیکھا۔ جوں ہی اپنے والد (حضرت یعقوب) سے اس کا ذکر کیا انہوں نے تاکید کی، ’’قال یابنی لاتقصص رویاك علی اخوتك فیکیدوا لك کیدا‘‘ (یوسف : ۵) بیٹا اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا نہیں تو وہ تمہارے حق میں کوئی فریب کی چال چلیں گے۔

ایسا خواب جو دشمن کو ہوشیار کر سکتا ہے اگر اس کا بتانا ممنوع ہے تو علمی اور ملی رازوں کا افشا کرنا تو قطعاً ممنوع ہونا چاہیے۔

بات لمبی ہو رہی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم جس آیت کو بھی پڑھتے ہیں اس میں تعلیم بھی ہے اور راز بھی۔ انگلستان کے ایک وزیر اعظم نے اس حقیقت کو پالیا تھا جو اسے کہنا پڑا "جب تک مسلمانوں میں قرآن باقی ہے ہماری ان پر حکومت ممکن نہیں ہے"

بھائیو اور بہنو کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اس آسمانی کتاب کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں۔

کیا اب بھی آپ قرآن کا ایک صفحہ نہیں پڑھ سکتے؟

کیا اب بھی اس کی تعلیمات سے آپ بے بہرہ ہیں؟

کیا ہم نے اپنی عمر کے سالوں کے مطابق ہی قرآن کی آیتوں کو اپنا دستور العمل قرار دیا ہے؟

انبیاء کے دوست اور دشمن

کوئی بھی شخص جو ایک مقصد لے کر اٹھتا ہے خود بخود اس کے مخالف بھی پیدا ہو جاتے ہیں اور موافق بھی، دوست بھی اور دشمن بھی۔ لیکن اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس مخالفت اور حمایت یا دشمنی اور دوستی کا محرک کیا ہے؟

قرآن کی آیات سے انبیاء کے پیروکاروں اور مخالفوں کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے اور آج کی نسل کو اس تاریخ سے واقف ہونا چاہیے۔

پہلے ہم انبیاء کے مخالفین کو پکڑتے ہیں:

۱۔ طاغوت: یہ لفظ قرآن میں آٹھ بار استعمال ہوا ہے اور اس کا اطلاق جھوٹے خداؤں اور ظالموں پر ہوا ہے۔ خواہ وہ ایک فرد ہو خواہ جماعت۔ انبیاء کا ایک فریضہ ایسے طاغوتوں کے خلاف جنگ کرنا ہے۔ خدا حضرت موسیٰؑ سے کہتا ہے:

اذهب الی فرعون انہ طغی (طہ : ۲۳)
تم فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو رہا ہے۔
آج کے فرعونوں کی سرکشی دبانے کے لئے بھی یہ کھلی ہدایت ہے۔

۲۔ مترفین : یعنی مال دار لوگ۔ کیونکہ انبیاء کی دعوت اور تعلیم ان کے لئے زر اندوزی کے راستے مسدود کر دیتی ہے لہٰذا وہ انبیاء کی مخالفت کرتے ہیں۔ (دیکھئے سورۂ ہود: ۱۱۶)

وما ارسلنا فی قریۃ من نذیر الا قال مترفوھا انا بما ارسلتم بہ کافرون (سبا : ۳۴)

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ جو چیز تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے قائل نہیں۔

جب ہم انبیاء کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ محروم طبقے نے انبیاءؑ کا ساتھ اور دولتمندوں نے مخالفت کی اور جب مارکسسٹوں کی باتیں سنتے ہیں تو وہ کہتے ہیں اسلام امارت کا حامی ہے !!!

۳۔ علماء اور دانشور : یہود اور عیسائی علماء اور دانشور پیغمبر اسلام کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ " یعرفونہ کما یعرفون ابنائھم " (بقرہ : ۱۴۶) لیکن وہ اپنے تئیں یہ بات سوچتے تھے کہ اگر ہم نے لوگوں کو اصل حقیقت بتا دی کہ یہ محمدؐ وہی موعود ہیں جن کی نشانیاں تورات اور انجیل میں بیان کی گئی ہیں تو ہماری وقعت کم ہو جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے حق کو چھپایا اور جو لوگ حق کو چھپاتے ہیں ان کے بارے میں قرآن مجید میں آیا ہے : اولئک یلعنھم اللّٰہ ویلعنھم اللاعنون (بقرہ : ۱۵۹) خدا اور اس کے تمام فرشتے اور انسان ہمیشہ ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ بعثت رسول اکرمؐ کے زمانے میں اگر یہود و نصاریٰ کے علماء نے رسول اللہؐ کی حقانیت کو چھپایا نہ ہوتا تو آج یہودی اور عیسائی اسلام کے خلاف یوں صف آرا بھی نہ ہوتے

مخالفت کی وجوہات

قرآن نے ان مخالفوں کا جو محرک بتایا ہے وہ یہ ہے :

۱۔ معاصرانہ حجاب: کبھی انسان کسی حق بات کو قبول نہیں کرتا اور اس انکار کی اس کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہوتی۔ سوا اس کے کہ وہ بات کرنے والا اس کا معاصر ہے۔ لیکن اگر یہی شخص دو صدیاں پہلے وہ بات کہہ کر مر چکا ہوتا تو یہ لوگ اس کی بات وحی کی طرح قبول کر لیتے۔ اس قسم کے رویے کو معاصرانہ حجاب کہتے ہیں۔

اکثر دانشوروں کی قدر و قیمت ان کے اپنے زمانے میں معلوم نہیں ہو پاتی۔ اگر ہمارے ملک کا ایک معمولی آدمی کوئی نئی چیز ایجاد کرے تو اسے اہمیت نہیں دی جائے گی لیکن اگر وہی چیز کوئی غیر ملکی پیش کرے تو اُسے سر آنکھوں پر بٹھایا جائے گا۔ یہ بھی معاصرانہ حجاب کی ایک شکل ہے۔

بعض مصنفوں اور مدرّسوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ اپنی تحریر یا تقریر میں جب کسی کی کوئی بات نقل کرتے ہیں تو اصل بات کہنے والا اگر معمولی یا زندہ انسان ہو تو اس کا نام لینے سے احتراز کرتے ہیں لیکن اگر وہ بات کہنے والا دو صدی پہلے کا شخص ہو یا کوئی مشہور آدمی ہو تو اس کا حوالہ ضرور دیتے ہیں۔

انبیاء کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے جب ایک نبی کی طرف سے طالوت کو ایک لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا گیا تو لوگوں نے سرکشی کی اور کہا یہ تو ایک غریب اور معمولی آدمی ہے یہ سپہ سالاری کیا جانے؟

اس نبی نے بہتیرا کہا کہ طالوت خدا کا برگزیدہ بندہ ہے اور سپہ سالاری کا اہل ہے لیکن لوگوں نے ایک نہ سنی۔ کیونکہ لوگوں میں وہ ایک معمولی آدمی دکھائی دیتے تھے۔

رسول اکرمؐ نے اپنی وفات کے وقت اٹھارہ سالہ اسامہ کو ایک لشکر کا کمانڈر مقرر کیا اور ان کے لشکر میں شرکت کی تاکید کی لیکن بڑے بوڑھے ایک اٹھارہ سالہ نوجوان کی قیادت قبول کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ یہ ہے تکبر، خود غرضی اور معاصرانہ حجاب۔

انبیاء کی دعوت کو نہ ماننے میں جو حجاب تھا وہ یہی تھا:

اھذا الذی بعث اللہ رسولاً (فرقان: ۴۱)

کیا یہی شخص ہے جس کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

یعنی منکرین نبی کو ایک معمولی انسان سمجھ کر اس کی بات نہیں مانتے تھے۔

۲۔ تکبر اور بہانہ بازی : قرآن میں متعدد ایسی آیات آئی ہیں جن میں انبیاء کے مخالفین کے بہانے درج ہوئے ہیں مثلاً :

۱۔ اس قرآن کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لاؤ۔

ائت بقرآن غیر ھذا (یونس : ۱۴)

۲۔ قرآن ایک دفعہ ہی کیوں نازل نہیں ہو جاتا۔ بتدریج کیوں نازل ہوتا ہے۔

لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ (فرقان : ۲۱)

جو لوگ یہ اعتراض کرتے تھے وہ نہیں جانتے تھے کہ تعلیم و تربیت کا صحیح طریقہ تو تدریجی تعلیم ہی ہے کیونکہ کسی دوسری صورت میں بات نہ دل کو لگتی ہے نہ روح کی گہرائی میں اپنی جگہ بناتی ہے۔

۳۔ اس پیغمبر کے پاس باغ، خزانہ اور محل وغیرہ کیوں نہیں ہے؟

او یلقی الیہ کنز او تکون لہ جنۃ (فرقان : ۸)

ان کو معلوم نہیں تھا کہ مالدار ہونا اور بات ہے اور خدا کے ساتھ تعلق رکھنا اور بات ہے۔

سورۂ طور میں ان بہانہ بازوں کا راستہ بند کر دیا گیا ہے اور انبیاء کے مخالفین کا ضمیر کی عدالت میں محاکمہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ کیا ان آسمانی پیغمبروں نے عقل کیخلاف کوئی بات کہہ دی ہے جو تم عقل کا حکم مانتے ہوئے اعتراض اور سرکشی کرتے ہو۔

"ام تامرھم احلامھم بھذا (طور : ۳۱)۔ دوسری آیت میں پوچھا گیا ہے کہ اگر یہ آیات خدا پر افترا ہے اور ان کے وحی ہونے میں شک ہے تو کیا تم اس جیسی ایک مثال پیش کر سکتے ہو۔

کیا انبیاء کے منکر اور مخالفین اپنی پیدائش میں احساسِ برتری کرتے ہیں اور خود کو پیدا کرنے والے کے بغیر خیال کرتے ہیں۔ ام خلقوا من غیر شیئ (طور : ۳۵) کیا یہ خود کو اپنا خالق سمجھتے ہیں ام ھم الخالقون (طور : ۳۵) اے پیغمبر کیا آپ نے

ان سے کسی اجر کا سوال کیا جو انہیں ادا کرتے ہوئے بوجھ محسوس ہوا اور تیری دعوت قبول نہیں کرتے۔ ام تسئلهم اجراً فهم من مغرم مثقلون (طور: ۴۰)

کیا ان کا اللہ کے سوا کوئی دوسرا خدا ہے جو یہ اس کی طرف سے وحی اور کسی دوسرے پیغمبر کے منتظر ہیں۔ ام لهم اله غیر اللّٰہ (طور: ۴۳)

کیا انبیاء کی دعوت کے بغیر ان مخالفین نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں۔ ام خلقوا السموٰت والارض (طور: ۳۶)

۳۔ بے جا توقع کی وجہ سے انکار: قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں نے انبیاء سے بے جا توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ کبھی وہ کہتے ہمارے مردہ آباؤ اجداد کو زندہ کرو۔ وما نحن بمنشرین فاتوا بابائنا ان کنتم صادقین (دخان: ۳۵) یقیناً جو مرے زندہ کئے جائیں گے انہیں بھی یہ توقع ہوگی کہ پیغمبر ان کے باپ دادا کو زندہ کرے۔ یعنی پیغمبر تخلیق اور خدا کی سنت کا پہیہ واپس گھمائے۔ اگر انسان ضدی نہ ہو تو وہ انبیاء کے ایک دو معجزوں ہی سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور بے جا توقعات ختم کر دیتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کے بعض طبقوں نے پیغمبر اسلام سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ آسمانی کتاب خود ان پر نازل ہو۔ یسئلك اهل الکتاب ان تنزل علیهم کتابا من السماء (نساء: ۲۰۰) اس کی مثال ایسی ہے کہ بیمار کہے کہ میں خود ہی اپنا طبیب بنوں اور کسی دوسرے طبیب کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خواہ مجھے اس کی قیمت اپنی جان ادا کرنا پڑے۔ ان احمقوں کو یہ خبر نہیں کہ وحی ایسی چیز نہیں ہے جو ہر قلب پر نازل ہو۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا ہے کہ انہیں خدا دکھایا جائے۔

فقالوا ارنا اللّٰہ جهرة (نساء: ۱۵۲)

قرآن ان بے جا توقعات کا جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر ہم وحی کو کاغذ کے ذریعے بھیجتے اور وہ اس کاغذ کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لیتے۔ تب بھی یہ پکے کافر ہی رہیں گے اور کہیں گے کہ یہ جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ولو نزلنا علیك فی قرطاس فلمسوه بایدیهم لقال الذین کفروا ان هذا الا سحر مبین (سورۂ انعام: ۷)

ایسے لوگ موجود ہیں جو ہر قسم کے معجزات اور نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان لانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وان یروا کل آیۃ لا یومنوا بہا (انعام : ۲۵)

۴۔ خواہش پرستی کی خاطر انکار: بعض مخالفین ایسے بھی تھے جن کے پاس نہ بہانہ تھا نہ بے جا توقع لیکن انہوں نے انبیاء کی تعلیمات کو محض اس لئے قبول نہ کیا کہ وہ ان کی ذاتی خواہشات کے ہم آہنگ نہیں تھیں۔ قرآن اس بارے میں یوں کہتا ہے: کلما جاءہم رسول بمالا تھوی انفسھم فریقاً کذبوا وفریقاً یقتلون۔ (سورہ مائدہ : ۷۰) جب کوئی پیغمبر ایسے احکام لاتا جو ان کی ہوا و ہوس کے مطابق نہ ہوتے تو وہ لوگ خدا کے ان بندوں کو جھٹلا دیتے یا انہیں شہید کر دیتے۔

یہ تھے انبیاء کی مخالفت کے محرکات کے چند نمونے۔ البتہ اپنے آباء و اجداد کی تقلید بھی کسی حد تک ان لوگوں کی ہٹ دھرمی میں اہم کردار ادا کر رہی تھی۔

ابھی تک ہم نے مخالفت کے محرکات کی بات کی ہے اب ذرا اس مخالفت کے عملی نمونے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے شکنجے سے نجات دلائی اور اس مقصد کے لئے ہر قسم کی تکالیف بھی برداشت کیں لیکن جونہی انہوں نے تھوڑے سے عرصے کے لئے قوم کی راہ نمائی اپنے بھائی کے سپرد کی اور خود کوہِ طور پر چلے گئے تو ان کی امت اپنی سابقہ حالت پر لوٹ گئی اور بچھڑے کو پوجنے لگی۔ حضرت موسیٰؑ کے جانشین حضرت ہارونؑ نے امت کو بہت سمجھایا مگر اس نے ایک نہ سنی۔ جب حضرت موسیٰؑ کوہِ طور سے واپس آئے اور امت کو بچھڑے کی پوجا کرتے دیکھا تو بہت ناراض ہوئے اپنے بھائی پر بھی عتاب کیا۔ حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا:

ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی۔ ان آزاد غلاموں نے اُلٹا مجھے کمزور کیا جب میں نے انہیں بچھڑا پوجنے سے منع کیا تو مجھے ہی قتل کرنے کو دوڑے۔

ہر زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جو آسمانی راہ نماؤں کی کوشش سے آزادی اور عزت حاصل کرتے ہیں لیکن زیادہ دیر نہیں گذرتی کہ کوئی بہانہ تلاش کر کے ان راہنماؤں کو کمزور

بنانا شروع کر دیتے ہیں اور ان کے مدِ مقابل آ کھڑے ہوتے ہیں۔

انبیاء کو لوگوں کے ناروا اعمال، افعال اور اقوال کا سامنا کرنا پڑا۔ قرآن نے اس ناروا سلوک پر روشنی ڈالی ہے۔ انبیاء کو جو مشکلات پیش آتی رہی ہیں ان سے باخبر رہنے کے دو فائدے ہیں؛

۱۔ انسان میں قدردانی کا جذبہ اُبھرتا ہے اور ہمیں معلوم ہو جاتا کہ یہ آسمانی ادیان اتنی آسانی سے ہم تک نہیں پہنچے۔ انبیاء نے انہیں ہم تک پہنچانے میں کیا کیا سختیاں جھیلی ہیں۔

۲۔ انبیاء کے پیروکاروں کو یہ سبق ملتا ہے کہ اُمت کی ہدایت اور معاشرے کی اصلاح کی خاطر ہر قسم کی پریشانی برداشت کرنے کی ضرورت ہے۔

قرآن نے انبیاء کے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک کے نمونے پیش کئے ہیں مثلاً :

حضرت نوحؑ کے مخالفین انہیں کہتے تھے۔ "تمہارے پیرو وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں۔" (ہود : ۲۷)

حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا۔

حضرت ہودؑ کے مخالفین نے یہ کہنے کی بھی گستاخی کی "تم ہمیں احمق نظر آتے ہو۔" (اعراف : ۶۶) لیکن حضرت ہودؑ اس بات سے نہ تو غصے میں آجاتے ہیں اور نہ اپنے کئے پر پشیمان ہوتے ہیں۔ بلکہ اپنے کام میں مگن رہتے ہیں اور نہایت تحمل سے یہ بات کہتے ہیں؛ "مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے۔" (اعراف : ۶۷)

جب حضرت نوحؑ نے کشتی بنانی شروع کی اور ان کی قوم کے سردار ان کے پاس سے گذرتے تو ان سے تمسخر کرتے۔ (سورۂ ہود : ۳۸)

حضرت شعیبؑ سے لوگ کہتے تھے تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہم میں کمزور بھی ہو۔ (ہود : ۹۱)

مکّہ کے مشرکوں نے حضرت رسول اکرمؐ کو قید میں ڈالنا چاہا یا مارنا چاہا یا کم از کم مکہ سے نکالنا چاہا (سورۂ انفال : ۳۰)۔ رسول اللہؐ کے قریبی رشتہ دار تک ان کے درپے تھے۔ ان کا چچا ابو لہب جب بھی دیکھتا کہ حضرت رسول اللہؐ اصلاح اور ہدایت کے لئے

قدم اٹھا رہے ہیں تو وہ آڑے آتا۔ رسول اللہؐ کے ابتدائی تبلیغی جلسوں میں شریک ہوتا اور انہیں درہم و برہم کرتا۔

نبیوں کو شاعر، جادوگر، دیوانہ اور کاہل کہنا تو ایک روایتی تہمت تھی۔ ہر قوم انبیاء کا تمسخر اڑاتی رہی ہے (حجر: ۱۱) فرعون نے لوگوں کو حضرت موسیٰؑ کے خلاف بھڑکانے کے لئے حضرت موسیٰؑ پر یہ تہمت لگائی اور لوگوں سے کہا یہ موسیٰؑ اور ہارونؑ تمہاری زمینوں پر قبضہ کرکے تمہیں بے دخل کرنا چاہتے ہیں (یریدان یخرجاکم من ارضکم) اور کبھی کہتا ہے موسیٰؑ اور ہارونؑ تمہیں تمہارے راہِ حق!! سے بھٹکانا چاہتے ہیں۔ (ویذھبا بطریقتکم المثلی)۔

انبیاء کی مخالفت اس حد تک پہنچ گئی کہ جونہی خدا کا رسول بات شروع کرتا وہ اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیتے اور اپنا سر اپنے لباس سے ڈھانپ لیتے۔ مبادا خدا کا کلام اور پیغمبر کی بات ان کے کانوں تک جا پہنچے۔ (سورۂ نوح: ۷)

بہت افسوس کی بات ہے کہ بعض دفعہ خود انبیاء کے گھر والے ان کی مخالفت پر تل جاتے۔ حضرت لوطؑ اور حضرت نوحؑ کی بیویاں مخالف تھیں۔ خاص طور پر حضرت لوطؑ کی بیوی گھر کی باتیں باہر جا کر بتاتی۔ قرآن نے ان دونوں عورتوں کو کفر اور بددیانتی کا نمونہ قرار دیا ہے اور کہا ہے:

خدا نے کافروں کے لئے نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور دونوں نے ان کی خیانت کی اور وہ خدا کے مقابلے میں ان عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ (التحریم: ۱۰)

یہ دونوں عورتیں پیغمبر کی تھالی میں سے کھاتی تھیں اور انہی کی فراہم کردہ سہولتوں سے فائدہ اٹھاتی تھیں اور ان کے زیرِ اثر بھی تھیں۔ لیکن انہوں نے حق قبول نہ کرنا چاہا سو نہ کیا۔ یہ واقعہ اس مکتبِ فکر کو مسترد کرتا ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ ہر انسان کے لئے اپنے راستے اور طرزِ خیال کا چناؤ مکمل طور پر اس کی اقتصادی حالت سے وابستہ ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دو عورتیں پیغمبر کے گھر سے کھاتی تھیں لیکن شرک کے مفاد میں بات کرتی تھیں۔ اس کے

برعکس فرعون کی بیوی جو محل میں رہتی تھی مگر جھونپڑوں میں رہنے والوں کے فکر میں رہتی تھی۔ خود طاغوتی نظام میں رہتی تھی لیکن اس کی شدید مخالف تھی۔ کھانا فرعون کے دسترخوان سے کھاتی تھی مگر حمایت موسیٰؑ کی کرتی تھی۔

یہ واقعات اس امر کی دلیل ہیں کہ اگرچہ معاشی نظام کی زندگی میں اہمیت ہے لیکن انسان کے لئے کوئی طرزِ خیال اختیار کرنے میں سوفیصد دخیل نہیں ہے۔ یہ کہنا بھی بے جا ہے کہ انسان کے افکار جانچنے کے لئے ضروری ہے کہ دیکھا جائے وہ کہاں سے کھاتا ہے، یا ایک محل نشین انسان محلہ نشین کی فکر میں نہیں ہوتا۔ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں، جنہیں تاریخ اور تجربے نے غلط ثابت کر دکھایا ہے جو مکاتبِ فکر ان باتوں پر بھروسہ کرتے ہیں ان کی عمر بہت تھوڑی ہے۔

کئی سال تک یہ شور مچایا جاتا رہا کہ سامراجیت کے خلاف جدوجہد کا واحد راستہ وہی ہے جو مارکس ازم نے داخلی تضادات کی شدت کے حوالے سے بتایا ہے لیکن اچانک لوگوں نے دیکھا کہ ایران کی ساڑھے تین کروڑ کی آبادی نے مارکس ازم کے اصولوں سے استفادہ کئے بغیر سامراج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دی ہیں۔ اس قوم نے لوگوں کو بتا دیا کہ سرمایہ داری یا مارکس ازم کے اصولوں پر تکیہ کئے بغیر ایک تیسرا راستہ بھی ہے جو سامراجیت کے خلاف لڑا سکتا ہے اور وہ اسلام کا انقلابی راستہ ہے۔

جو لوگ مادی افکار میں گھرے ہوئے ہیں وہ اس کی ماورا طاقت سے بے خبر ہیں اور وہ انقلاب کو بھی مادی اصول کے اپنانے پر منحصر سمجھتے ہیں۔

یہ تھا انبیاء کی مخالفت کرنے والوں کا مختصر حال۔ مگر ان سے بھی زیادہ ایک خطرناک گروہ موجود تھا جو اوپر اوپر سے انبیاء کے ساتھ ملا ہوا تھا لیکن ان کی مخالفت علی الاعلان مخالفت کرنے والوں سے بھی تندتر تھی۔ اسلام انہیں "منافق" کہتا ہے۔ انہوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

انبیاء کے پیروکاروں کو ایذارسانی اور زبان کے چرکے لگانا

انبیاء کو تو ایذا پہنچائی ہی جاتی تھی ان کے پیروکاروں کو بھی معاف نہیں کیا گیا۔ قرآن میں ہے کہ انبیاء کے مخالفین بڑے بڑے گڑھے کھودتے تھے اور صاحب ایمان لوگوں کو ان میں زندہ جلاتے تھے اور خود اوپر کھڑے ہو کر تماشا دیکھتے تھے۔ ان پیروکاروں کا گناہ صرف خدا پر ایمان رکھنا تھا (سورۂ بروج : ۵ ببعد) کبھی مخالفین مومنوں کو دیکھ کر ان کا مذاق اڑاتے اور جب ان کے قریب سے گذرتے تو آنکھوں اور ابروؤں سے ان کا تمسخر اڑاتے۔ جب یہ مخالفین اپنے گروہ میں آکر بیٹھتے تو خود کو کامیاب سمجھ کر خوش ہوتے اور جب کبھی ان مومنوں کو دور سے دیکھتے تو انہیں گمراہ قرار دیتے (سورۂ مطففین، ۲۹ - ۳۱)۔ یہ تھے وہ طریقے جو مخالفین، مومنین کو پامال کرنے کے لئے استعمال کرتے۔

لیکن جن لوگوں نے حقیقی طور پر خدا کو پہچان لیا ہے اور خدا کے دین کے احکام کی حقانیت اور انبیاء کی عصمت کے قائل ہیں وہ مخالفین کی طرف سے لگائے جانے والی زبان کی ان چوٹوں سے کبھی دل برداشتہ نہیں ہوئے اور نہ انہوں نے اپنا راستہ چھوڑا ہے کیونکہ قرآن نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ قیامت کے دن یہی مومنین ان کے حال پر ہنسیں گے۔ (سورۂ مطففین : ۳۴ - ۳۵)

منافقوں کی طرف سے رکاوٹیں

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ انبیاء کو نہ صرف کھلے مخالفوں سے تکلیفیں پہنچیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ چھپے دشمنوں یعنی منافقوں نے انہیں ستایا۔ وہی لوگ جو مومنوں کی مسجد کے سامنے اپنی مسجد کھڑی کر دیتے تاکہ لوگ متفرق اور منقسم رہیں اور منافقوں کے اجتماع کا مرکز بھی بنا رہے۔ ایک دفعہ منافقوں نے رسول اللہؐ کو اپنی مسجد کا افتتاح کرنے کے لئے بھی بلایا لیکن رسول اللہؐ نے اس مسجد کو آگ لگا دی اور خدا نے رسول اللہؐ کو حکم دیا کہ ہرگز اس مسجد میں نہ جائیں کیونکہ اس طرح مسلمانوں کی صفوں میں رخنہ پیدا ہو گا۔ جو جگہ جاسوسی کے لئے بنائی گئی ہے وہاں اقامت نہ کریں۔ لا تقم فیہ ابداً (توبہ : ۱۰۸) منافقین نے ایک دو کاموں ہی کی مخالفت نہیں کی بلکہ ان کا منصوبہ تمام کاموں کو اُلٹ دکھانا ہے۔

قلبوا لك الامور (توبہ : ۴۸) وہ کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں۔ ولقد ابتغوا الفتنۃ (توبہ : ۴۸) اگر یہ منافقین دشمن کے خلاف جنگ میں شرکت کریں گے تو اسلام پر ضرب لگانے اور دشمن کے لئے جاسوسی کرنے اور متحد صفوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کے لئے کریں گے اور ان کی شمولیت سے مسلمانوں کو فساد اور اضطراب کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لوخرجوا فیکم مازادوکم الاخبالاً (توبہ : ۴۷) اگر یہ لوگ نماز پڑھتے ہیں تو بددلی اور کسالت کے ساتھ اور اگر انفاق کرتے ہیں تو دل سے نہیں بلکہ ایک دوسرے کا لحاظ کرتے ہوئے (سورۂ توبہ : ۵۴)

یہ منافق مالی مسائل سے متعلق بھی رسول اللہؐ پر نکتہ چینی کرتے تھے مثلاً وہ زکوٰۃ کے مصرف میں کیڑے نکالتے تھے۔ ومنھم من یلمزك فی الصدقات (توبہ : ۵۸) منافقوں کا یہ اعتراض محض ذاتی مفاد کی خاطر تھا۔ اگر انہیں بھی زکوٰۃ اور صدقہ ملتا تو ان کی زبان خاموش رہتی (سورۂ توبہ : ۵۸) یعنی منافقوں کی خوشی کی کوئی فکری اساس نہیں تھی۔

انبیاء کے موافقین کا جذبۂ محرکہ

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مومنوں نے اپنی مالی پریشانیوں کی وجہ سے انبیاء کی پیروی اختیار کی حالانکہ ایسا نہیں ہے چونکہ انبیاء ظلم و ستم اور غربت کے خلاف جدوجہد کرتے تھے۔ اسی لئے یہ محرومین ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ مالی پریشانیوں سے تنگ آکر پیروی اختیار کرنے کا تصور صحیح نہیں ہے۔ اس تصور میں انسان میں حق جوئی کی فطرت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہم انسانی تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ لوگوں کی مالی حالت بہت مضبوط تھی اور ان کی زندگی میں غربت اور ظلم و ستم کا دخل نہیں تھا اور انہوں نے پوری دل جمعی کے ساتھ انبیاء کی دعوت کو قبول کیا اور اپنا مال و جان اس راہ میں فدا کیا مثلاً فرعون کی بیوی، حضرت خدیجہؓ وغیرہ۔

انبیاء کے پیروکاروں کے دو گروہ ہیں :

۱۔ کمزور دل پیروکار
۲۔ ثابت قدم پیروکار

کمزور دل پیروکار

سورۂ بقرہ (آیات ۲۴۶ - ۲۵۳) میں بنی اسرائیل کے ایک نبی کے پیروکاروں کو حکایت نقل ہوئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

بنی اسرائیل کی ایک جماعت حضرت موسیٰؑ کے بعد زبوں حال ہوگئی اور طاغوتی ان پر ظلم وستم کرنے لگے۔ قوم نے ظلم وستم کے خلاف علم بلند کرنا چاہا اور اپنے پیغمبر شموئیل کے پاس گئے اور ان سے ایک لائق کمانڈر نامزد کرنے کی درخواست کی۔ پیغمبر نے کہا ممکن ہے وہ کمانڈر تمہیں جہاد اور قتل کا حکم دے اور تم لوگ حکم عدولی کرو۔ جماعت نے کہا کیا یہ ممکن ہے ہم پر جو ستم ہو رہا ہے اسے رفع کرنے کے لئے ہم خاموش بیٹھے رہیں۔ پیغمبر نے امت کے لئے خدا سے ایک لائق کمانڈر کی دعا کی۔ دعا قبول ہوگئی اور خدا کی طرف سے طالوت نامی ایک شخص متعارف ہوا جو جسمانی اور علمی لحاظ سے اہل اور مناسب تھا۔ شموئیل نے انہیں امت کے سامنے پیش کیا لیکن لوگوں کی عقل پر پردہ پڑا ہوا تھا وہ کہنے لگے کہ یہ شخص تو عام سا ہے، نہ ہم نے پہلے اس کا نام سنا نہ شہرت، ہم تو اس کا حکم نہیں مانیں گے اگر اس شخص کو ہمارا کمانڈر بنانا مقصود ہے تو ہم اس سے زیادہ اہل ہیں کیونکہ ہمارے پاس زیادہ پیسہ ہے۔ پیغمبر شموئیل نے بہت کہا کہ طالوت خدا کی طرف سے مقرر ہے اور وہ بھی اپنی علمی اور جسمانی اہلیت کی وجہ سے لیکن وہ لوگ نہ مانے اور اسی بہانے لڑنے والی جماعت سے الگ ہوگئے۔ یہ ایک آزمائش تھی۔

دوسری آزمائش یہ تھی کہ جن لوگوں نے طالوت کی قیادت کو تسلیم کر لیا تھا۔ طالوت نے انہیں بتایا کہ ظلم وستم کے خلاف لڑتے ہوئے تمہارا امتحان لیا جائے گا اور تمہارا اقتصادی بائیکاٹ کیا جائے گا، واضح طور پر کہوں کہ تم لوگ ایک نہر کے کنارے پہنچو گے جس سے تمہیں پانی نہیں پینا ہوگا۔ جس نے وہاں سے پانی پیا وہ ہم میں سے نہیں۔ کیونکہ شکم پرست سپاہی کی میرے لشکر

میں کوئی اہمیت نہیں۔ (البتہ ایک چلو بھر پانی پینے پر پابندی نہیں تھی) سب لوگوں نے یہ شرط مان لی لیکن جونہی اس پر عمل کرنے کی نوبت آئی انہوں نے اس حکم کو پس پشت ڈال دیا۔ کچھ لوگوں کو چھوڑ کر سب نے نہر سے پانی پیا۔ اس آزمائش میں بھی ایک گروہ الگ ہو گیا۔

تیسری آزمائش اس وقت پیش آئی جب باقی ماندہ لوگ دشمن کے عظیم لشکر کے رُو برُو ہوئے۔ اتنا بڑا لشکر دیکھ کر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور کہنے لگے ہم تو دشمن کے حریف نہیں ہیں اور محاذ سے واپس آگئے۔ اس طرح مزید کچھ لوگوں کی چھانٹی ہو گئی لیکن جو لوگ خدا اور انبیاء کے مقاصد پر مکمل یقین رکھتے تھے وہ ہر آزمائش پر پورا اُترے۔ وہ کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله (بقرہ: ۲۴۹) کا نعرہ لگاتے ہوئے دشمن پر پل پڑے اور داؤد نامی ایک سپاہی نے دشمن کے سپہ سالار کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

اس حکایت سے ایک سبق یہ ملتا ہے کہ انقلابی ہونا اہم نہیں ہے۔ انقلابی رہنا زیادہ اہم ہے۔ کسی کام کا خاتمہ خیر پر ہونا اہمیت کا حامل ہے۔ حضرت یوسفؑ کا بھائیوں کے حسد و شر اور قید سے نجات پانے کے بعد یہ دعا مانگنا کہ "اے خدا مجھے مسلمان مارنا" بے محل نہیں ہے۔ جب حضرت رسول اللہؐ حضرت علیؑ کو ان کی شہادت کی پیش گوئی کرتے ہیں تو حضرت علیؑ ان سے یہ نہیں پوچھتے کہ کون مجھے مارے گا اور کیوں مارے گا بلکہ یہ پوچھتے ہیں کہ "افی سلامة فی دینی" کیا میں اپنے دین

مختصر یہ کہ قول اور فعل وعدہ اور ایفائے وعدہ اور دعویٰ اور دلیل میں بہت فاصلہ ہے۔ قرآن میں بیس مرتبہ لوگوں کے امتحان اور آزمائش کا ذکر ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جب تک آزمائشیں پیش نہ آئیں تب تک انسان کی صلاحیتیں سامنے نہیں آتیں۔

ثابت قدم پیروکار

قرآن نے ثابت قدم اور باوفا پیروکاروں کی کئی نشانیاں بتائی ہیں مثلاً:

حقیقی مومنین وہ ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور کبھی شک میں نہ پڑے (حجرات: ۱۵)

کچھ عرب رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ہم ایمان لائے۔ لیکن قرآن فوراً اس بات کا جواب دیتا ہے اور رسول اللہؐ سے کہلواتا ہے کہ ان سے کہہ دو تم نے اسلام کا صرف اظہار کیا ہے، ابھی ایمان کی حقیقت نے تمہاری جانوں میں اثر نہیں کیا ہے۔ (حجرات: ۱۴)

انبیاء کے حقیقی پیروکار وہ ہیں جو پیغمبر کا حکم سن کر کہتے سمعنا و اطعنا ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ جنگِ خندق میں جب رسول اللہؐ مسلمانوں کے ساتھ مل کر خندق کھود رہے تھے تو بعض مسلمان رسول اللہؐ کی اجازت کے بغیر چلے جاتے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو رسول اللہؐ کی اجازت ضروری سمجھتے۔ قرآن مجید کی سورۂ نور آیت ۶۲ میں ایسے لوگوں کی تعریف کی گئی ہے اور انہیں خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والا کہا گیا ہے۔

سورۂ آل عمران آیہ ۳۰ میں ہے کہ لوگوں سے کہہ دو اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میں جو اس کا پیام بر ہوں میری اطاعت کرو۔

سورۂ آل عمران آیہ ۶۸ میں ہے ابراہیم کے سب سے نزدیک وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں۔

خدا اور رسول پر ایمان کی حقیقی دلیل یہ ہے کہ ہم اپنے معاملات میں انہیں منصف قرار دیں (سورۂ نسار: ۵۹)۔ جو لوگ اپنے تنازعات کا فیصلہ طاغوتی عدالتوں سے کرواتے ہیں انہیں اپنے ایمان کا محض زعم ہے۔ (نسار: ۶۰)

رسول اللہؐ کے زمانے میں دو صحابی کھیتوں کو پانی دینے پر اپنا اختلاف رسول اللہؐ کے پاس لائے۔ رسول اللہؐ نے فیصلہ سنایا۔ جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے گستاخی کرتے ہوئے رسول اللہؐ سے کہا آپ نے اس شخص کے حق میں فیصلہ کیوں دیا ہے؟ فوراً آیت نازل ہو گئی کہ خدا کی قسم ان لوگوں کے سوا کسی کا ایمان حقیقی نہیں جو اپنے تنازعات میں آپ کا فیصلہ قبول کرتے ہیں اور اس میں آپ کے فیصلے پر قطعاً ناخوش نہیں ہوتے۔ (نسار: ۶۵)

سورۂ احزاب آیہ ۳۶ میں ہے کہ کسی مومن مرد اور عورت کو حق نہیں ہے کہ وہ خدا اور رسول اللہؐ کے حکم اور فیصلہ کو چیلنج کرے۔

انبیاء پر حقیقی ایمان کی ایک اور علامت یہ ہے کہ وہ اپنے سیاسی، اقتصادی اور فوجی منصوبوں میں بھی اسی طرح وحی اور احکام انبیاء سے مدد حاصل کریں جس طرح اپنے عبادتی مسائل میں۔ قرآن نے مسلمانوں کی اس جماعت پر اعتراض کیا ہے جو افواہیں سننے کے بعد ان کی چھان بین تحقیق کئے بغیر انہیں آگے پھیلاتے ہیں (سورۂ نساء : ۸۳) انبیاء پر ایمان لانے والے وہ لوگ ہیں جو جنگ احد میں رسول اللہ کی حمایت میں لڑتے ہوئے زخمی ہوئے ہیں لیکن جونہی رسول اللہ دوبارہ حملے کا حکم دیتے ہیں وہ اپنے زخم بھول کر میدان جنگ میں آ جاتے ہیں۔ اس قربانی کے باوجود قرآن نے ان کی قدر دانی کو تقویٰ کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ للذین احسنوا منھم واتقوا اجر عظیم۔ جی ہاں اسلام میں تکلیفیں برداشت کرنا، تلوار کے زخم کھانا، صحابی رسول ہونا اگر تقویٰ کے بغیر ہو تو اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ ان مجاہدوں نے سخت ترین حالات میں بھی رسول اللہ کی حمایت کی مگر ان کی عزت افزائی تقویٰ کے ساتھ مشروط ہوگئی۔ سورۂ آل عمران آیہ ۱۴۶ میں بھی انبیاء کے پیروکاروں کی قربانیوں کا ذکر ہے۔ کئی ایسے انبیاء گذرے ہیں جن کے پرچم تلے خدا کے بندے لڑتے رہے، انہیں جو تکلیفیں پہنچتی رہیں اس کے باوجود ان میں سستی اور کمزوری واقع نہ ہوئی۔ خدا صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

سابقہ اُمتوں کی یہ قربانیاں بعد کی اُمتوں کے لئے نمونہ اور تعلیم و تربیت کا اثر رکھتی ہیں۔ جس طرح کہ خدا نے سابقہ انبیاء پر ہونے والی سختیوں کا ذکر کر کے رسول اللہ کو تسلی دی۔

خدا ہمیں رسول اللہ کا وفادار پیروکار بنائے۔

ایران کے بارے میں مطبوعات اور لٹریچر

پاکستان کے مختلف شہروں میں اسلامی جمہوریہ ایران کے ثقافتی مراکز موجود ہیں جہاں کتب خانے قائم ہیں۔ فارسی زبان کی کلاسیں ہوتی ہیں اور ایران اور اسلامی انقلاب کے بارے میں ہر قسم کا مطبوعہ لٹریچر (کتب، رسائل، ماہنامے، پمفلٹ، سٹکر، پوسٹر تصاویر وغیرہ) دستیاب ہوتا ہے۔

ہم یہاں تمام ثقافتی مراکز کے پتے درج کر رہے ہیں:

صوبۂ سرحد

۱۔ خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران ۳۔ خیابان سرسید پشاور چھاؤنی۔

صوبہ پنجاب

۲۔ خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، ۴۶۹۔ اے سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی۔

۳۔ خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، ۴۳ مین گلبرگ لاہور۔

۴۔ خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، ۵۴ شاہراہ قائداعظم (سابق مال روڈ) لاہور۔

۵۔ خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، ۱۷۸۸۔ خانیوال روڈ ملتان۔

صوبہ سندھ

۶۔ خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، خیابانِ امام خمینی، ۲۷/اے لطیف آباد۔ ۷ حیدرآباد

۷۔ خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، ۱۴ اسیفیلڈ روڈ کراچی۔

صوبہ بلوچستان

۸۔ خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، اقبال روڈ کوئٹہ

استاد شہید مرتضیٰ مطہری

کی کتابوں کے دستیاب اُردو تراجم

ایران اور مصر میں کتب سوزی

مسلمانوں پر عائد ایک تاریخی الزام کا تجزیہ

جنسی اخلاق

اسلام اور مغرب میں تصوّر

ارگانِ خانہ ہائے فرہنگ جمہوری اسلامی ایران

کے زیر اہتمام

دینی، علمی، معاشرتی، ثقافتی اور اخلاقی مضامین کا مجموعہ

فجر

- اسلامی موضوعات پر معاصر ایرانی علماء اور مفکرین کی فکر انگیز اور بصیرت افروز تحریریں چھپتی ہیں۔
- ایران کی تازہ علمی خبریں فراہم کی جاتی ہیں۔
- ایران کے اسلامی انقلاب کے زندگی کے مختلف شعبوں میں سامنے آنے والے نتائج کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ہر مہینے شائع ہوتا ہے

آپ بھی پڑھیں اپنے احباب کو بھی پڑھائیں